رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

تصنیف وتالیف کے اصول وآداب

مع

آداب خط وکتابت

تصنیف وتالیف، مضمون ومقالہ نگاری اور خطوط نویسی

کے اصول وآداب اور شرعی احکام

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب.................. تصنیف وتالیف کے اصول وآداب

افادات............ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب.................. محمد زید مظاہری ندوی

سن اشاعت........................ ۱۴۳۶ھ

صفحات..............................۱۷۶

قیمت..............................۱۲۵ /روپے

ویب سائٹ............WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱

☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

اجمالی فہرست

تصنیف وتالیف کے اصول وآداب

عنوانات	صفحہ
بابِ ۱ : تصنیف وتالیف کی اہمیت	۲۵
بابِ ۲ : تصنیف وتالیف سے متعلق ضروری ہدایات وآداب	۳۶
فصل : کتابوں کے نام رکھنا	۵۹
بابِ ۳ : تصحیح الاغلاط وترجیح الراجح کا سلسلہ	۶۶
بابِ ۴ : کتابوں پر تقریظ لکھنے کا بیان	۷۷
بابِ ۵ : سوانح عمری اور ملفوظات ومواعظ لکھنے کا بیان	۸۸
بابِ ۶ : حضرت تھانویؒ کی تصنیفات سے متعلق خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کا مضمون	۱۰۳
بابِ ۷ : متفرقات	۱۲۳
بابِ ۸ : آدابِ خط وکتابت	۱۴۰
فصل : خط وکتابت سے متعلق چند ضروری ہدایات	۱۵۸

فہرست

تصنیف وتالیف کے اصول وآداب مع آداب خط وکتابت

عنوانات	صفحہ
دعائیہ کلمات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۶
دعائیہ کلمات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ	۱۷
رائے عالی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۸
اظہار خیال حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم	۱۹
علمی وتحقیقی کام، مشکل ترین کام، ترتیب نہیں تصنیف، اہم اور نافع کام	۲۰
عرض مرتب	۲۱
باب ۱	
آداب تصنیف وتالیف	
تصنیف وتالیف کی اہمیت	۲۵
تحریر وتقریر، تصنیف وتالیف اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے	۲۵
تصنیف وتالیف اور مصنفین وواعظین کا وجود فرض کفایہ ہے	۲۶
تصنیف وتالیف کا کام بہت اہم کام ہے	۲۷
بعض حالات میں تصنیف وتالیف ذکر سے افضل ہے	۲۷
علمائے محققین ومصنفین کے لئے دعوت وتبلیغ کے مقابلہ میں تصنیف وتالیف کی زیادہ اہمیت ہے	۲۸
مصنّفین کی اہمیت	۲۹

دارالتصنیف والتالیف کے قیام کی ضرورت ۲۹
تصنیف وتالیف کی کثرت امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے ۲۹
تصنیف وتالیف کا کام بہت مشکل کام ہے ۳۰
کتاب لکھنے کی غرض وغایت ۳۰
کتابوں کو رجسٹرڈ کرانا اور حق تصنیف کی بیع کرنا ۳۱
کتاب پر مصنف کا نام لکھنا ۳۲
عورتوں کو اپنا نام و پتہ کسی مضمون یا رسالہ میں نہیں ظاہر کرنا چاہئے ۳۲
عورتیں بھی مصنف بن سکتی ہیں ۳۳
عورتوں کو تصنیف میں اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہئے ۳۳
ایسا کیوں؟ ۳۴
مرنے کے بعد عورتوں کا نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں ۳۴
مفاسد کی وجہ سے اخبارات وغیرہ میں عورتوں کا نام و پتہ نہیں ظاہر کرنا چاہئے ۳۴

باب ۲

تصنیف وتالیف کے متعلق ضروری ہدایات وآداب ۳۶
تصنیف وتالیف سے متعلق مندرجہ ذیل ہدایات کی اہمیت ۳۶
ضرورتِ وقت اور عبارت کے عام فہم اور آسان ہونے کا لحاظ ضروری ہے ۳۶
علماء محققین کی تصانیف کے مشکل ہونے کا اعتراض صحیح نہیں ۳۷
مشکل اور دقیق علمی مضامین کی تسہیل مشکل ہے ۳۷
تصنیف وتالیف سے متعلق چند کوتاہیاں ۳۸
قلم کے ذریعہ جھوٹ اور غیبت کا گناہ زیادہ سخت ہے ۳۸
مصنفوں، شاعروں، ناول نگاروں کو تنبیہ ۳۹

پریس والوں کو تنبیہ ۴۰
لکھنے سے پہلے غرض وغایت پر نظر ۴۰
کام شروع کرنے کا طریقہ ۴۱
مسودہ تیار کرنے کا طریقہ ۴۱
یادداشت کا پی اور بیدار مغزی کی ضرورت ۴۲
محنت اور تتبع وتلاش ۴۳
غور وفکر اور دعا ۴۳
انضباط اوقات اور پابندی کی ضرورت ۴۴
ناغہ کی بے برکتی ۴۴
تصنیف وتالیف اور کام میں جی نہ لگے تو کیا کریں ۴۵
جس روز کام نہ کرنا ہو اس روز بھی ناغہ نہ کرنا چاہئے ۴۵
دو اہم ہدایتیں ۴۶
کام کا جذبہ اور عملی تقاضا قابل قدر ہے ۴۶
کام کی دھن اور حضرت تھانویؒ کا حال ۴۶
کام تو ایسے ہوتا ہے ۴۷
غلو اور زیادہ کاوش سے احتراز ۴۸
سلف صالحین کی مخالفت اور ان سے بدگمانی کرنے سے احتراز ۴۸
سلف وخلف کا فرق اور عمدہ مثال ۴۹
ایک اہم بات ۵۰
اصل مضمون اور مسودات کو محفوظ رکھنا ۵۰
لوگوں کی آمد ورفت کی کثرت کی وجہ سے کام کا نقصان ہو تو کیا کرنا چاہئے ۵۱

اسلاف ومتقدمین کی کتابوں کی مقبولیت اوران کے وقت میں برکت کا سبب ۵۲
اہل تصنیف کوتقویٰ اوراحتیاط کی زیادہ ضرورت ہے ۵۳
صاحب ہدایہ کی کتاب مقبول ہونے کی وجہ ۵۳
حضرت تھانویؒ کاتقویٰ ۵۳
اتناتقویٰ تو بہرحال ضروری ہے ۵۴
آلاتِ علم کاغذ،قلم وغیرہ کاادب ۵۴
مصنف کےقلب کی ظلمت اس کی کتاب تک سرایت کرتی ہے جوکتاب کے
واسطے سے پڑھنے سننے والوں تک بھی اثر انداز ہوتی ہے ۵۵
حضرت تھانویؒ پرعلوم وحقائق کے منکشف ہونے اورآپ کی مقبولیت ومحبوبیت
کی خاص وجہ ۵۷

فصل

کتابوں کے نام نرم اورمعنی خیز رکھنا چاہئے ۵۹
اہم ملفوظات،فتاوی یاکسی مضمون کانام رکھنا ۵۹
چندنمونے ۶۰
حضرت تھانویؒ کی نظر میں چندعلمی وفقہی اورتحقیقی کام کی ضرورت ۶۰
فقہ سے متعلق جدیدرسالہ کی ضرورت ۶۱
جدیدعلم کلام کی ضرورت ۶۳
کام کے لوگ اب بھی موجود ہیں اورکر سکتے ہیں ۶۴

باب ۳

تصحیح الاغلاط وترجیح الراجح کا سلسلہ ۶۶
اپنی غلطی واضح ہوجانے کے بعداس سے رجوع کرنااوراس کااعلان کرنا ۶۶

غایت احتیاط اور دوسرے علماء سے نظر ثانی کروانا ۶۷
کتابوں میں واقع شدہ لغزشوں سے متعلق دو قاعدے ۶۷
رجوع واعتراف اور تصحیح الاغلاط وترجیح الراجح کے چند نمونے ۶۸
اگر کوئی کتاب کا رد لکھے ۷۰
حضرت گنگوہی کا حال ۷۰
تصانیف پر اعتراضات کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہوں ۷۱
عالمگیرؒ کا سبق آموز واقعہ ۷۲
تصانیف پر اعتراضات بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے ۷۲
زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں شائع کرا کر تقسیم کرنے کا اہتمام ۷۴
طلبہ کو کتابیں تقسیم کرنے کے سلسلہ میں عمدہ انتظام ۷۵
ترغیب کے واسطے خاص رعایت پر کتاب دینے کا اعلان ۷۶

باب ۴

کتابوں پر تقریظ لکھنے کا بیان ۷۷
تقریظ کی حقیقت شہادت ہے ۷۷
تقریظ لکھوانے کی بابت حضرت تھانویؒ کا خیال ۷۷
تقریظ لکھنے کی بابت حضرت تھانوی کا معمول اور بعض اہل علم کی زبردست غلطی ۷۸
کتابوں کی تقریظ لکھنا ۷۹
تقریظ لکھنے کی بابت حضرت تھانویؒ کا معمول ۷۹
تقریظ لکھنے میں غایت درجہ احتیاط ۸۰
ایک تصنیف پر تقریظ کی درخواست پر حضرت تھانویؒ کی حق گوئی وصاف گوئی ۸۱
ایسی کتابوں پر بجائے تقریظ لکھنے کے سب کو جلا دینا چاہئے ۸۷

بابؐ ۵

سوانح عمری اور ملفوظات ومواعظ لکھنے کا بیان ۸۸
سوانح عمری لکھنے میں بے احتیاطی اور فساد نیت ۸۸
حضرت تھانوی کی وصیت اور فرمان ۹۰
بزرگوں کا فعل حجت نہیں، فتویٰ حجت ہے ۹۰
بزرگوں کے معمولات کی شرعی حیثیت ۹۱
سوانح عمری کا نفع ۹۲
سوانح عمری لکھنے کا ثبوت قرآن پاک سے ۹۳
سوانح عمری لکھنے کا ثبوت حدیث پاک سے ۹۴
زندہ شخص کی سوانح عمری لکھنے میں احتیاط و بے احتیاطی کے دو پہلو ۹۴
سوانح عمری یا ملفوظات کے ضمن میں بیان کردہ فقہی مسائل کی اہمیت ۹۵
بعض مسائل بجائے تحریر کے تقریر اور ملفوظات کے ذریعہ زیادہ اچھی طرح
سمجھے اور سمجھائے جاسکتے ہیں ۹۵
اشرف السوانح کی تصنیف سے متعلق مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ
کا خط اور حضرت تھانویؒ کا جواب ۹۶
''اشرف السوانح'' نام رکھنے پر اعتراض اور حضرت تھانویؒ کا جواب ۹۷
ملفوظات اور سوانح لکھنے والے قابل شکر ہیں ۹۷
اپنی یا دوسروں کی سوانح لکھنے میں کوتاہیوں ولغزشوں کو ظاہر کرنے کا حکم ۹۸
ملفوظات ومواعظ ۹۹
حضرت تھانوی کی مجلس کی برکت اور اس کے فائدے ۱۰۰
حضرت تھانوی کے ملفوظات ومواعظ ۱۰۱

حضرت تھانویؒ کی تقریر وتحریر کا فرق ۱۰۱
وہ ملفوظات ضبط کرنا چاہئے جن میں کوئی علمی یا عملی فائدہ ہو ۱۰۱
مذہبی دینی رسالہ کیسا ہونا چاہئے ۱۰۲
مضمون کیسے رسالہ میں نکالیں ۱۰۲

باب ۶

حضرت تھانویؒ کی تصنیفات سے متعلق خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کا مضمون ۱۰۳
حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی خصوصیت ۱۰۴
حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی مقبولیت ۱۰۵
حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی انقلاب انگیز تاثیر ۱۰۶
متبحر اہل علم کی شہادت ۱۰۷
حضرت تھانویؒ کی چند اہم تصانیف ۱۰۸
بہشتی زیور کی مقبولیت ۱۰۸
غیبی اور منامی تائید ۱۰۹
حضرت تھانویؒ کا تصنیفی ملکہ، ۱۸؍ سال کی عمر میں اہم تصنیف اور حاجی امداد اللہ ۱۱۰
مہاجر مکیؒ کی بشارت .....
حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی کثرت ومقبولیت کے مختلف اسباب ۱۱۱
پہلا سبب کام کی دھن اور اس کی تکمیل کی فکر ۱۱۱
امداد غیبی کی دوسری صورت ۱۱۱
وقت میں برکت کی تیسری وجہ ۱۱۲
قابل تحقیق امور میں استفسار اور تحقیق کا اہتمام ۱۱۳
چوتھا سبب عدم غلو اور زیادہ کاوش سے احتراز ۱۱۳

یادداشت کے لئے قلم کاغذ ہر وقت ساتھ ۱۱۴
بلاضرورت دماغ پر بار ڈالنے سے احتراز اور ضروری کام کو فوراً کر ڈالنے کی کوشش ۱۱۴
کثرت تصانیف اور وقت میں برکت کا پانچواں سبب ۱۱۵
انضباط اوقات اور اس کی پابندی ۱۱۵
معمولی تحقیق کے لئے بھی بڑا اہتمام ۱۱۶
تفسیر بیان القرآن کی بعض خصوصیات ۱۱۶
حیات المسلمین کی بعض خصوصیات ۱۱۷
اپنی تمام تصانیف کو لوجہ اللہ کر دینا اور ان سے دنیاوی مفاد نہ حاصل کرنا ۱۱۷
حق تصنیف محفوظ کرنے سے احتراز اور اپنی تمام تصانیف سے متعلق ایک اعلان ۱۱۸
اپنی جملہ تصانیف اور لکھے ہوئے مضامین کو محفوظ رکھنے کا اہتمام ۱۱۹
حضرت تھانویؒ کی بڑی خصوصیت ''ترجیح الراجح'' کا سلسلہ ۱۲۰
حیات المسلمین اور بہشتی زیور کے متعلق اظہار خیال ۱۲۱

باب ۷
متفرقات

مضمون میں اگر اضافہ یا کسی نوع کی ترمیم ہو تو اس کی وضاحت ضروری ہے ۱۲۳
کاتب و کمپوزیٹر اور تصحیح کرنے والوں سے بکثرت غلطیاں ہوتی ہیں ۱۲۴
مصنف پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے ۱۲۴
اقتباسات نقل کرنے میں کافی توسع ہوتا ہے ۱۲۶
ایک تصنیف کے متعلق مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا حضرت تھانویؒ سے مشورہ ۱۲۶
حضرت تھانویؒ کا جواب ۱۲۸
حواشی واضافات کی نسبت مصنف کی طرف نہیں کی جاسکتی ۱۲۸

کسی مصنف کی طرف غلط بات منسوب کرنا صریح بہتان ہے ۱۲۸
طابع وناشرین کی ذمہ داری ۱۲۸
تمام مصنفین اور شعراء کے ساتھ بھی حسن ظن لازم ہے جب تک کہ صریح دلیل کے خلاف نہ ہو ۱۲۹
بجائے درود وسلام کے ''صلعم'' لکھنا کافی نہیں معلوم ہوتا ۱۳۰
''صلعم'' لکھنا کافی نہیں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پورا لکھنا چاہئے ۱۳۱
عبرتناک حکایت ۱۳۱
فاضل مسودات کو کیا کرنا چاہئے؟ ۱۳۲
بعض مصنفین کی غایت درجہ تواضع ۱۳۳
لمبے چوڑے خطابات اور نسبتوں سے احتیاط ۱۳۳
نسبتی نام ۱۳۴
''شیر پنجاب'' اور ''بلبل ہند'' جیسے القاب ۱۳۴
خادم العلماء والفقراء لکھنا ۱۳۴
اشرفی، رشیدی وغیرہ لکھنا ۱۳۵
بامداد اللہ اور ہوالرشید لکھنا ۱۳۵
عقیدہ کا فساد ۱۳۵
سیدی ومولائی اور زیادہ عظمت کے القاب سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو طبعی انقباض ۱۳۶
ہم کو تو یہ طرز پسند ہے ۱۳۷
بزرگوں کو ''قبلہ وکعبہ'' لکھنا ۱۳۷

باب ۸

آداب خط وکتابت

خط کا مضمون اور اس کے ضروری اجزاء ۱۴۰
القاب وآداب ۱۴۰
ضروری تنبیہ ۱۴۱
مضمون اور انداز بیان کیسا ہونا چاہئے؟ ۱۴۲
رسم الخط اور انداز تحریر ۱۴۳
مکتوب الیہ جس زبان سے واقف ہو اسی زبان میں خط لکھنا چاہئے ۱۴۳
اپنے بڑوں اور بزرگوں کے خطوط میں عبارت آرائی، وشعر شاعری نہیں کرنا چاہئے ۱۴۴
اپنے بڑوں کے پاس عربی میں خط لکھنا ۱۴۴
خط ہمیشہ صاف اور واضح لکھنا چاہئے ۱۴۵
مناسب کاغذ اور عمدہ روشنائی سے خط لکھنا چاہئے ۱۴۵
عمدہ سیاہی اور قلم سے خط لکھنا چاہئے ۱۴۶
خط کا مضمون بہت لمبا نہیں ہونا چاہئے ۱۴۶
بہت زیادہ اختصار بھی نہ ہونا چاہئے ۱۴۶
حضرت تھانویؒ کی بیدار مغزی ۱۴۷
لکھنے کے بعد خشک کرنے کے لیے مٹی استعمال کرنے کا فائدہ ۱۴۷
خط لکھنے کا طریقہ ۱۴۷
متعلقین کو سلام ودعا لکھنا اور ان کی خیریت معلوم کرنا ۱۴۸
اپنے بڑوں کے واسطہ سے کسی کو پیغام یا سلام ودعا کہلانا بے ادبی ہے ۱۴۹
ایک ہی خط میں دو قسم کے مضامین نہیں ہونا چاہئے ۱۴۹

ہر بات علیحدہ علیحدہ واضح کر کے لکھنا چاہئے ۱۵۰
جواب کے لیے حاشیہ پر جگہ ضرور چھوڑ دینا چاہئے ۱۵۰
کاغذ بھی احتیاط سے موڑ کر رکھنا چاہئے ۱۵۰
کارڈ لکھنا چاہئے یا لفافہ؟ ۱۵۱
دستی پرچوں کی زیادہ اہمیت نہیں ۱۵۱
اپنی ضرورت کے لیے جوابی خط لکھنا چاہئے ۱۵۱
جوابی خط میں پتہ لکھنے کی تاکید ۱۵۲
خطوط میں اپنا نام شروع میں لکھنا چاہئے ۱۵۲
پتہ وغیرہ بہت صاف لکھنا چاہئے ۱۵۳
جواب کے لیے لفافہ ہی رکھنا چاہئے ۱۵۳
جوابی لفافہ میں ٹکٹ وغیرہ خود لگا کر پتہ صاف لکھنا چاہئے ۱۵۴
غیر جوابی خطوط کا بیرنگ بنا کر جواب نہ دینا ۱۵۴
اس شبہ کا جواب کہ علماء ومشائخ خطوط کے جوابات دینے میں کوتاہی کرتے ہیں ۱۵۵
خطوط کے جوابات جلد ہی دے دینا چاہئے ۱۵۶
حضرت تھانویؒ کا معمول اور یومیہ خطوط بھیجنے کی مقدار ۱۵۶
خط پڑھ کر اس کا جواب لکھ دینے کے بعد کیا کرنا چاہئے ۱۵۶
گول مول بات اور فضول باتوں کا جواب نہیں دینا چاہئے ۱۵۷
فصل
خط وکتابت سے متعلق چند ضروری اہم ہدایات ۱۵۸
خط وکتابت کے متفرق ضروری آداب ۱۵۹
عورتوں کے لیے متفرق ضروری ہدایات ۱۶۰

عورتوں کو چاہیے کہ اپنے شوہر کو دکھائے بغیر کہیں خط نہ بھیجیں ۱۶۱
عورت کو شوہر یا کسی محرم کے دستخط کے بغیر خط نہیں بھیجنا چاہیے ۱۶۱
عورتوں کے پاس جو خط آئے اس کو بھی شوہر کو دکھلانا چاہیے ۱۶۱
عورتوں کو نہایت ضروری نصیحت ۱۶۲
ڈاک اور خطوط سے متعلق حضرت تھانویؒ کے مقرر کردہ ضوابط ۱۶۲
حتی الامکان راز کی باتیں خطوط میں نہ لکھنا چاہیے ۱۶۳
ڈاک لکھنے اور پڑھنے کے متعلق حضرت تھانویؒ کا معمول ۱۶۴

فصل متفرقات

خطوط میں لکھے ہوئے سلام کا شرعی حکم ۱۶۵
خط میں تاریخ اور سنہ ضرور لکھنا چاہیے ۱۶۵
عربی مہینوں اور قمری تاریخ کا استعمال کرنا چاہیے ۱۶۶
انگریزی اور اسلامی تاریخ استعمال کرنے کا شرعی حکم ۱۶۷
اسلامی تاریخ لکھنے کا طریقہ ۱۶۸
بلا اجازت دوسرے کا خط دیکھنا کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز؟ ۱۶۹
بغیر تحقیق کے محض خط کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا درست نہیں ۱۷۰
کاغذ کی قدر دانی اور اسراف سے احتیاط ۱۷۱
بچے ہوئے کاغذ کو کام میں لانا ۱۷۱
استعمال شدہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لانا ۱۷۲
جن لفافوں اور ٹکٹوں پر مہر نہ لگ سکی ہو ان کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ۱۷۲
غیر مستعمل لفافہ یا ٹکٹ ردی میں مل جائے اس کا حکم ۱۷۳
بڑوں اور چھوٹوں کے القاب وآداب (ماخوذ از بہشتی زیور) ۱۷۳

دعائیہ کلمات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا(بارك الله فی حیاتـه وفی افادتـه) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدر دانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اوران کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پا رہے ہیں۔ اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خيرا.

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی ۱۷رذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ عربیہ ھتورا باندہ (یوپی)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بزمانۂ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے، حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندو پاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی تین درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

مبارک سلسلہ اور سلیقے کا کام

رائے عالی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں سے تعلق اور ان کے ملفوظات وہدایات کو ان کی افادیت کے پیش نظر مرتب کرنے اور جمع کرنے سے خصوصی دلچسپی عطاء فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے بزرگوں کے افادات کو مختلف رسالوں اور کتابوں کی صورت میں جمع کیا ہے اور یہ کام اس سلیقہ سے کیا ہے کہ اس میں تحقیقی وعلمی انداز بھی پایا جاتا ہے اور دینی وتربیتی مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔

ہم کو مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد زید صاحب جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور اصلاح وراشاد کے سلسلے میں مختلف نوعیّتوں کی وضاحت پر مشتمل مضامین کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کا ایک مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔

مولانا زید صاحب نے دینی افادات کا، اصلاح دین کا حامل بہت مفید لٹریچر جمع کر دیا ہے، اصلاح باطن ودرستگئ احوال کے لئے یہ انتخاب اور لٹریچر انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

مفتی محمد زید صاحب کی یہ علمی کوششیں قابل ستائش ہیں جو ایک طرف تو ایک اچھا علمی کام ہے اور دوسری طرف اس کی دینی واخلاقی افادیت ہے۔

محمد رابع حسنی

جدت وقدامت کا سنگم

اظہار خیال

حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم

عمید کلیۃ الدعوہ والاعلام، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت وقدامت نے انہیں دوآتشہ بنادیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق وترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت وطباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہونچادیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنادیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم ومعارف کی نسبت سے وہ کسی ''متخصص'' اور ''ڈاکٹر'' سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب وتحقیق پر انہیں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کہاں کہاں سے تنکے جمع کرکے ایک آشیانہ تیار کردیا۔

اللہ تعالیٰ اس سعی سعد کو قبولیت سے نوازے، اور مرتب کو علمی موتیوں کی تلاش میں کامیابیوں سے ہمیشہ بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

سلمان حسینی ندوی

علمی وتحقیقی کام

واقعہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ اس قدر مفید بلکہ نہایت اہم کام کی طرف مبذول ہوئی ہے کہ اس کے لئے خداوندی رہنمائی اور ذکاوت نافعہ کے بغیر آمادگی نہیں ہوسکتی تھی یہ محض اللہ کا فضل ہے، ہوسکتا ہے کہ ناواقف کی نظر میں یہ کام اتنا اہم نہ ہو جتنا فی نفسہ ہے لیکن حقیقۃً کسی بڑے تحقیقی وعلمی کام سے کم اہم نہیں۔ (مولانا برہان الدین صاحب مدظلہٗ)

مشکل ترین کام، ترتیب نہیں تصنیف

تمہاری کتابوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی یہ آسان کام نہیں ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرنا، ان کا فن اور موضوع مقرر کرنا، پھر ان کی ترتیب دینا بہت مشکل کام ہے، یہ کتابیں محض تمہاری ترتیب نہیں بلکہ تصنیف ہیں، اللہ کا شکر ادا کرو۔

(حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور)

اہم اور نافع کام

اہم اور نافع کام کی توفیق آپ کو منجانب اللہ ملی، مسرت ہے، بارک اللہ وتقبل اللہ۔ (خود بھی) منتفع ہوا، طلبہ اور اہل علم کو یہ مضامین سنائے گئے۔ (مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ)

چشمۂ فیض

مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا زید صاحب زیدمجدہم نے محنت شاقہ برداشت کرکے بکھرے ہوئے مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کردیا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خاص طور پر طلباء اور اہل مدارس کو اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی تصانیف اور آپ کے ملفوظات ومواعظ رشد وہدایت کا گنجینہ، حکمت ومعرفت کا خزینہ، طالبین دین کے لیے ایک نعمت عظمٰی، شریعت کی روح اور طریقت کی جان ہیں، جن سے خلق اللہ کو بڑا فائدہ پہنچا، ان کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

امت محمدیہ میں یہ شرف کسی خطیب کو حاصل نہیں کہ اس کے تمام تر مواعظ و ملفوظات قلمبند ومحفوظ ہوں، یہ خصوصیت حکیم الامت ہی کو حاصل ہے اور یہ حضرتؒ کی کرامات میں سے ہے کہ تصنیفات کی طرح من وعن آپ کے مواعظ وملفوظات بھی محفوظ ہیں۔

بفضلہٖ تعالٰی مجھے بچپن ہی سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات خصوصاً مواعظ وملفوظات کے دیکھنے اوران سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہوئی، میری نظر جب ان بکھرے ہوئے گراں قدر موتیوں پر پڑی، اسی وقت ایک خیال مسلط ہوگیا کہ کیوں نہ ان جواہرات کی روشنی سے امت کو روشناس کرایا جائے۔

تصانیف تو چونکہ موضوع وارعناوین کے تحت ایک خاص انداز پر مرتب ہوتی ہیں جن میں مضامین تلاش کرنا آسان ہوتا ہے مگر مواعظ وملفوظات کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے، ان میں مضامین منتشر اور بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، عنوانات ندارد، موضوعِ سخن بدلتا رہتا ہے اس لیے کیوں نہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کرکے ہر

موتی کو اپنی صنف میں لاحق کر کے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے اور مواعظ وملفوظات کوفن وارعنوانات کے تحت ترتیب دے دیا جائے تاکہ استفادہ کی راہ آسان ہو سکے، اللہ کا نام لے کر حبیب الامت عارف باللہ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی زیرنگرانی کام شروع کر دیا، الحمدللہ مختلف موضوعات سے متعلق متعدد مجموعے تیار ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

یہ رسالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری کے اصول وآداب اور شرعی احکام تحریر کئے گئے ہیں، ایک مضمون نگار اور تصنیفی وتالیفی کام کرنے والوں کے لئے حضرت تھانویؒ کی ان ہدایات کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا، آج سے تقریباً بیس سال قبل اس رسالہ کے کچھ مضامین آداب تقریر وتصنیف کے نام سے شائع ہوئے تھے، اب اضافہ اور جدید ترتیب کے ساتھ علیحدہ شائع کئے جارہے ہیں جس میں رسالہ ''آداب خط وکتابت'' بھی شامل ہے اس کے علاوہ ''احکام صحافت وذرائع ابلاغ'' رسالہ مستقلاً علیحدہ شائع کیا جارہا ہے، جس میں اخبار بینی واخبار نویسی نیز جدید ذرائع ابلاغ سے متعلق ضروری احکام وآداب اور اس میں ہونے والے منکرات حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تصانیف ومواعظ وغیرہ سے چن چن کر جمع کئے گئے ہیں، اخبار وذرائع کے ایڈیٹروں نیز ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں اور اخبار بینوں کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے۔

محمد زید مظاہری ندوی غفرلہ

استاد حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۶؍رمضان ۱۴۳۲ھ

آدابِ تصنیف وتالیف

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب
محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین

محمدوعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

باب ۱

تصنیف وتالیف کی اہمیت

تحریروتقریر،تصنیف وتالیف اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

أعوذبالله من الشيطان الرجيمo بسم الله الرحمن الرحيم

الرَّحمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْآنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o (پ۲۷رحمٰن)

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن سکھایا انسان کو پیدا کیا اس کو بیان سکھایا بیان میں تقریر وتحریر دونوں داخل ہیں، چنانچہ اسی تعلق کے اعتبار سے قرآن شریف میں ایک مقام پر ارشاد ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی بیان کبھی تو بالبنان (ہاتھ کی انگلیوں پوروں یعنی قلم سے) ہوتا ہے اور کبھی باللسان (یعنی زبان سے) یہ دونوں قسمیں بیان ہی کی ہیں۔

اوراس بیان کا نعمت ہونا دنیوی منافع کے اعتبار سے بھی ہے لیکن اس وقت دین کے منافع کا ذکر ہے جن کے اعتبار سے یہ بیان ایک بڑی نعمت دینیہ بھی ہے، اور وہ یہ ہیں کہ آج ہم لوگوں میں جو علم موجود ہے اس کی بدولت خدا کے مقبول بندوں میں داخل ہوسکتے ہیں، یہ نعمت بیانیہ ہی کی بدولت ہے، کیونکہ اگر ہمارے سلف صالحین علوم کو (کتابوں میں) بیان نہ کرجاتے تو ہم کو کچھ بھی خبر نہ ہوسکتی تھی۔

اسی طرح اگر ہم نفع متعدی (یعنی صدقۂ جاریہ) کا ثواب حاصل کرنا چاہیں تو اس کی بھی یہی صورت ہے کہ ہم تحریروتقریر میں پوری مہارت پیدا کریں اور علوم دینیہ

دوسروں کو بھی پہنچائیں۔

ہم نے بعضے ایسے اہل علم بھی دیکھے ہیں کہ جن کو تحریر وتقریر نہیں آتی سوان سے بہت کم لوگوں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔پس ہمارے طلبہ کو اس وقت ان دونوں کی تکمیل اور مشق کی ضرورت ہے۔[1]

تصنیف وتالیف اور مصنفین وواعظین کا

وجود فرض کفایہ ہے

بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہے کیونکہ یہ امور فرض کفایہ ہیں، ہر کام کرنے والے ضرورت کے مطابق کافی مقدار میں ہونے چاہئے۔

علامہ بیہقیؒ نے حدیث **لایزال طائفة من امتی علی الحق منصورین** کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ دین کی خدمتیں بہت سی ہیں ہر شخص ان میں سے جو خدمت بجالا رہا ہے وہ اس میں داخل ہے خواہ واعظ ہو یا مصنف یا فقیہ ہو یا محدث۔[2]

تعلیم عام لفظ ہے اور اس کے چند افراد ہیں اور سب مطلوب ہیں، اب ان افراد کو سمجھئے؟ اس وقت اس کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں ان کو عرض کرتا ہوں اور استقراً (یعنی تتبع وتلاش کے بعد) وہ چار ہیں:

☆ وعظ ☆ تدریس ☆ امر بالمعروف بخطاب خاص ☆ تصنیف۔

علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں، اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں۔

---

[1] وعظ تعلیم البیان ملحقہ علم وعمل ص ۳۶۰ [2] العبد الربانی ملحقہ حقوق الفرائض ص ۱۱۴

چوتھا کام تصنیف کا ہے، علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہیئے، اس کے یہ معنی نہیں کہ سب کے سب مصنف اور واعظ ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہیئے۔[1]

تصنیف وتالیف کا کام بہت اہم کام ہے

فرمایا: تصنیف وتالیف کا کام بہت اہم کام ہے اس لیے کہ اس سے خود کو نفع ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچتا ہے اسی لیے علماء کا قول ہے کہ ''طول امل'' یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا ہر چیز میں تو برا ہے **الا فی العلم** یعنی سوائے علم کے، مگر علم میں یہ استثناء اس لیے ہے کہ دین کا آلہ ہے اور طول امل کی ممانعت آلات فی الغفلت میں ہے نیز یہ علم ذکر اللہ میں معین ہے جو کہ طریق کا مقصود ہے۔[2]

بعض حالات میں تصنیف وتالیف ذکر سے افضل ہے

فرمایا: اپنی صحت کو دیکھ کر کچھ روز سے یہ بھی چاہ رہا ہوں کہ تصنیف بھی بند کر دوں مگر اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں ذکر کے لیے بھی قلب خالی نہ ہو اور تصنیف بھی نہ رہے، اگر ایسا ہوا تو اور کچھ اعمال تو ہیں ہی نہیں شاید یہی عمل قبول ہو جائے کہ تصنیف سے کسی نیک بندہ کو نفع ہو اور وہی نجات کا ذریعہ ہو جائے، اس لیے میں اس عارض کی وجہ سے تصنیف کو ذکر سے افضل سمجھتا ہوں، گو فی نفسہ تو افضل ذکر ہی ہے، اب رہا یہ کہ تصنیف اعمال متعدیہ میں سے ہے (یعنی اس کا نفع دوسروں تک پہنچتا ہے) اور اس میں مشغول ہونا افضل ہے یا اعمال لازمہ میں؟ سو عقل تو اعمال متعدیہ (یعنی تصنیف وتالیف) ہی کو ترجیح دیتی ہے، مگر طبعی مذاق اعمال لازمہ کو ترجیح دیتا ہے۔[2]

---

[1] العبد الربانی ملحقہ حقوق الفرائض ص ۱۱۳

[2] ملفوظات حکیم الامت: ۳۵۹، قسط ۴، جلد ۲، ملفوظ: ۶۵۱

علمائے محققین و مصنفین کے لئے

دعوت وتبلیغ کے مقابلہ میں تصنیف وتالیف کی زیادہ اہمیت ہے

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی نقل فرماتے ہیں:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی بڑی تمنا تھی کہ حضرت والد صاحب (یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) ان کے ساتھ تبلیغ کے کام میں لگ جائیں، ان کی اس تمنا کے اظہار پر حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں تو اپنا ہاتھ اپنے مرشد (یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) کے ہاتھ میں دے چکا ہوں وہ جیسا حکم فرمائیں گے اس کی تعمیل کروں گا۔

پھر حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مراجعت فرمائی تو حضرت تھانویؒ نے معذرت کر کے مولانا محمد الیاس صاحب سے فرمایا کہ جس مبارک کام میں آپ لگے ہیں انشاء اللہ اس کام کے کرنے والے آپ کو بہت مل جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جذبہ اخلاص دیا ہے اس لئے یقیناً آپ کی مدد ہوگی، اور بلاشبہ بہت عظیم الشان کام ہے مگر اس کے لئے آپ کو بے شمار افراد مل جائیں گے، لیکن جس انداز سے میں تھانہ بھون میں تصنیف وتالیف اور عصری مسائل کی تحقیق کر رہا ہوں اس کے کرنے والے شاذ ونادر ہی ہیں، میرے پاس بڑی مشکل سے دو چار جمع ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہیں تو اگر ان کو آپ کے پاس بھیج دوں گا تو میرا کام بند ہو جائے گا، اسی لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی تھی۔

خطبات فقیہ الاسلام

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی ص۳۴ ج۲

مصنّفین کی اہمیت

اوردارالتصنیف والتالیف کے قیام کی ضرورت

فرمایا کہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں طالب علموں کو پڑھانے کے لیے آئے تھے، مگر اب میں نے ان کو درس کے کام سے نکال کر تصنیف کے کام میں لگادیا ہے، اس کی آج کل سخت ضرورت ہے، مدرس تو بہت ہیں مصنف بھی ہونے چاہئے، یہ کام اگر علماء اپنے ہاتھ میں لے لیں تو غیر علماء کو (مصنف بننے کی) ہمت نہ ہو اور نہ کوئی ان کی تصانیف کے سامنے ان کی قدر کرے، میرا ارادہ اس شعبہ کو مستقل کردینے کا ہے اس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔[1]

تصنیف وتالیف کی کثرت امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے

ایک بزرگ کا قول ہے کہ تصنیف بھی اس امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے، فرمایا: واقعی اور دوسری امتوں میں اس شان کی تصنیف نہیں ہوئی، ایک ایک حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سکتے ہیں، اور وسائط کے نام بتلا سکتے ہیں کہ فلاں سے فلاں نے روایت کی ہے، اور ان کے حالات بھی بتلا سکتے ہیں کہ کون کس درجہ کا تھا یہ اس مذہب کی خصوصیات میں سے ہے ورنہ کوئی مذہب بھی کسی اپنی مذہبی بات کو اپنے پیشوا تک اس طرح سلسلہ کے ساتھ نہیں پہنچا سکتا۔

اور زیادہ عجیب اس لیے ہے کہ خلفاء اور سلاطین اکثر ان حضرات (مصنفین) کے مخالف رہے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ان سے امداد تو کیا ملتی اور الٹی مخالفت کا معاملہ رہتا تھا، باوجود کسی مادی امداد نہ ہونے کے ایسی عظیم الشان خدمت نہایت عجیب ہے۔[2]

[1] حسن العزیز ۱۶۲/۴ [2] الافاضات الیومیہ ہفتم ۳۵۶/۷

تصنیف وتالیف کا کام بہت مشکل کام ہے

فرمایا کہ تصنیف کا کام بہت مشکل کام ہے جو کام کرتا ہے وہی جانتا ہے کہ کیا مشکلات پڑتی ہیں، آج کل کی جو اکثر تصنیفات ہیں کہ مصنفین برساتی مینڈک کی طرح امڈ پڑے ہیں، اس وقت ان کا ذکر نہیں، ان کا تو یہ قصہ ہے کہ ایک پہلو لے لیا اور رسالہ لکھ مارا چاہے آگے پیچھے کچھ بھی ہوا کرے، ذکر ان مصنفین کا ہے جو محقق ہیں جن کے سامنے ہر پہلو ہے اور ہر جزئیہ اور کلیہ پر ان کی نظر ہے اور اس حالت میں پھر تصنیف کرتے ہیں ان کی حالت تصنیف کے وقت ایسی ہوتی ہے جیسے جاں کنی کے وقت ہوتی ہے۔[1]

میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن یہ حالت ہے کہ جب کبھی کوئی رسالہ لکھتا ہوں تو راتوں کو نیند نہیں آتی پنسل کاغذ پاس لے کر سوتا ہوں اور جو کچھ یاد آتا ہے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کو لکھتا ہوں۔[2]

کتاب لکھنے کی غرض وغایت

ایک انگریز جنٹ نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کو تفسیر لکھنے میں کتنے روپئے ملے، حضرت والا نے فرمایا کچھ بھی نہیں اس نے بہت تعجب کیا اور کہا کہ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے کی آپ نے محنت ہی کیوں کی؟ حضرت والا نے فرمایا کہ ہم لوگ اس کے قائل ہیں کہ اس زندگی کے علاوہ ایک اور بھی زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں، میں نے یہ محنت اس توقع پر کی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے اس کا عوض اس دوسری زندگی میں ملے گا اور ایک اس سے دنیا کا فائدہ بھی ہے، وہ یہ کہ جب میں دیکھوں گا کہ میرے مسلمان بھائی اس کو پڑھ پڑھ کر فائدہ اٹھا رہے ہیں تو مجھ کو خوشی ہوگی۔

---

[1] الافاضات الیومیہ ہفتم ۳۶۲/ [2] دعوات عبدیت ۱۷/۲

حضرت والا کی یہ تقریر سن کر انگریز پر خاص اثر ہوا، اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے قلب میں اس جواب کی بہت وقعت ہوئی۔[1]

کتابوں کو رجسٹرڈ کرانا اور حق تصنیف کی بیع کرنا

حقوق کی بیع کے کوئی معنی ہی نہیں، حق کوئی متقوم چیز نہیں یہ سب جہالت ہے۔[2]

حضرت والا نے محض خدمت دین سمجھ کر لوجہ اللہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور مقصود دین کی اشاعت ہے اس لیے حضرت والا نے اپنی کسی تصنیف کی نہ خود رجسٹری کرائی نہ کسی دوسرے کو رجسٹری کرانے کی اجازت دی کیونکہ رجسٹری کرنا اور کرانا شرعاً ناجائز ہے، ☆ حضرت والا نے ایک اعلان بھی شائع فرمایا جو بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

''چونکہ یہاں کی تصانیف پر کسی سے کچھ حق تصنیف وغیرہ نہیں لیا جاتا اس لیے ان کی رجسٹری کرانے کا کسی کو حق نہیں فقط''۔[3]

حضرت والا کی طرف سے عام اجازت ہے کہ جس تصنیف کو جو چاہے اور جتنی تعداد میں چاہے چھاپ سکتا ہے، اپنی کسی تصنیف سے کبھی کسی قسم کا دنیاوی مفاد حاصل نہیں فرمایا یہاں تک کہ کسی کتاب کے طبع ہوجانے کے بعد اس کے نسخہ کے ملنے کی بھی توقع نہیں رکھی چہ جائیکہ شرط، البتہ اگر کسی نے محبت سے کوئی نسخہ پیش کیا تو لینے سے انکار بھی نہیں فرمایا۔[4]

---

[1] اشرف السوانح ص:۴۸ [2] حسن العزیز ۴/۱۵۷ [3] اشراف السوانح ص:۴۸ [4] ایضاً ص:۴۷

☆ علماء محققین کے مابین یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فتویٰ عدم جواز کا ہے، لیکن خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس مسئلہ میں نظر ثانی کی ضرورت سمجھتے تھے چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کو اس مسئلہ پر نظر ثانی کرنے اور از سر نو تحقیق کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ شیخ موصوف نے اپنے والد صاحب کی تعمیل حکم میں اس مسئلہ کی مکمل تحقیق فرمائی، شیخ موصوف کی تحقیق کی مطابق حق تصنیف وحق ایجاد کی بیع بلا شبہ اور بلا کراہت جائز ہے، تحقیق وتفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فقہی مقالات ص ۲۱۸ تا ۲۲۸ ج ۱)

کتاب پر مصنف کا نام لکھنا

مردوں کے واسطے بھی میں کہتا ہوں کہ کتاب پر مصنف کا نام لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصود خدمت خلق ہے، خدمت نام سے نہیں ہوتی تو نام لکھنے میں سوائے شہرت نفس اور نفس پرستی کے کیا ہے۔

خیر مردوں کے لیے چنداں حرج بھی نہیں بلکہ اس میں مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ مصنف کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے سے کتاب کا درجہ اور اس کی روایات کا درجہ متعین ہو جاتا ہے۔[1]

عورتوں کو اپنا نام و پتہ کسی مضمون یا رسالہ میں نہیں ظاہر کرنا چاہیے

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو اپنی تصنیف پر نام لکھنے سے کیا مقصود ہوتا ہے اگر ایک مفید مضمون دوسری عورتوں کے کام تک پہنچانا ہے تو اس کے لیے نام کی کیا ضرورت ہے مضمون تو بغیر نام کے بھی پہنچ سکتا ہے پھر نام کیوں لکھا جاتا ہے۔

ایک آفت نازل ہوئی ہے کہ تعلیم یافتہ عورتیں اخباروں میں مضامین دیتی ہیں اور اس میں اپنا نام اور گلی اور مکان کا نمبر بھی ہوتا ہے یہ شاید اس لیے کہ لوگوں کو ان سے خط و کتابت میں میل ملاقات میں دقت نہ ہو، نہ معلوم ان کی غیرت کہاں اڑ گئی اور نہ جانے ان کے مردوں کی غیرت کہاں گئی، انہوں نے اس کو کیوں کر گوارہ کر لیا یا یوں کہیے کہ طبیعتیں ہی مسخ ہو گئیں۔

عورت کے لیے تو کسی طرح نام (پتہ) لکھنا مناسب نہیں، عورتوں کو تو کوئی تعلق سوائے خاوند کے کسی سے بھی نہ رکھنا چاہیے۔[2]

---

[1] التبلیغ ۲/۷، کساء النساء [2] التبلیغ ۷/۷۰-۲

عورتیں بھی مصنف بن سکتی ہیں

ایک لڑکی کی تصنیف کردہ کتاب میرے پاس آئی جس کو میں نے پڑھا تو وہ بہت نافع معلوم ہوئی، اس میں کوئی نقصان کی بات نہ تھی، مگر اخیر میں (مصنفہ) کا پوار نام اور پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں فلاں محلّہ کی رہنے والی ہیں میں حیران ہوا کہ اگر تصدیق کرتا ہوں تو پورا پتہ لکھنے کے واسطے بھی سند ہو جائے گی کیونکہ نام اور پتہ وغیرہ سب لکھا ہوا ہے اور تصدیق نہیں کرتا تو سوال ہوسکتا ہے کہ اس میں کون سی بات مضر تھی، جس کی وجہ سے تصدیق نہ کی اس تردد میں تھا، ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی وہ یہ کہ میں نے مصنفہ کا نام کاٹ دیا اور اس کے بجائے لکھ دیا ''راقمۃ امۃ اللہ'' (اللہ کی ایک بندی) اور تقریظ میں لکھ دیا کہ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے اور سب سے زیادہ خوبی اس میں یہ ہے کہ یہ ایسی بی بی کی تصنیف کردہ ہے جو بڑی حیاء دار ہے کہ انہوں نے اپنا نام بھی اس پر نہیں لکھا، یہ ترکیب نہایت اچھی رہی اس واسطے کہ اگر وہ میری تصدیق اپنی کتاب پر چھاپیں گی تو اپنا نام نہیں لکھ سکتیں، اور اگر اپنا نام لکھیں گی تو میری تصدیق نہیں چھاپ سکتیں چلو میرا پیچھا چھوٹا۔[1]

عورتوں کو تصنیف میں اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہیے

میری رائے ہے کہ عورتوں کو اپنی تصانیف میں اپنا نام نہیں لکھنا چاہیے بلکہ صرف یہ کافی ہے کہ ''خدا کی ایک بندی''۔

ایک میری عزیزہ نے ایک کتاب بغرض تقریظ میرے پاس بھیجی، میں نے ان کو لکھا کہ اپنا نام ہرگز نہ لکھا جائے اور ان کو پابند کرنے کے لیے میں نے تقریظ میں یہ لکھا کہ کتاب بہت اچھی ہے اور سب سے بڑی خوبی جو میں نے اس کتاب میں

---

[1] التبلیغ ۷/۱۷

دیکھی وہ یہ کہ مصنفہ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، ایسا میں نے اس لیے لکھ دیا کہ اگر تقریظ لکھیں تو پھر ضروری ہوجائے گا کہ اپنا نام ظاہر نہ کریں۔[1]

ایسا کیوں؟

مرنے کے بعد عورتوں کا نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں

عورتوں کو اپنی تصنیف میں نام لکھنے میں بھی آج کل بے پردگی ہے، ہاں مرنے کے بعد ظاہر کردیا جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کے ساتھ مرد کو طبعی میلان ہوتا ہے اس لیے بہت احتیاط کرنا چاہئے، ازواج مطہرات جو امہات المؤمنین (تمام مسلمانوں کی مائیں) تھیں اور ہمیشہ کے لیے سب پر حرام تھیں، ان کے لیے حکم ہے "**لَاتَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ**" یعنی نرم لہجے سے بات نہ کرو، شاید سننے والے کے دل میں کوئی روگ پیدا ہو، اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے اشعار چھپتے ہیں اور اخیر میں ان کا نام بھی چھپتا ہے۔

عورت کے لیے تو یہی مناسب ہے کہ اس کی خبر اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو بھی نہ ہو۔[2]

عوارض ومفاسد کی وجہ سے اخبارات وغیرہ میں عورتوں کا نام وپتہ نہیں ظاہر کرنا چاہئے

(**سوال**) آج کل یہ امر طے شدہ مان لیا گیا ہے کہ پردہ نشین عورتوں کا نام مردوں کی طرح خط یا اخبارات وغیرہ میں ضرور ظاہر کردینا چاہئے، چنانچہ اخبارات میں

---

[1] حسن العزیز ۱/۲۳۷ [2] حسن العزیز ص۴۸۲ ص:۲۳۷، حقوق البیت ص:۳۳

شائع بھی ہوتے ہیں اور یہ اخبارات ہمارے گھروں میں بھی آتے ہیں، ان کے پتے وغیرہ پر عورتوں کے نام لکھے جاتے ہیں، غرض جس طرح عام مرد اپنا نام اخبارات وغیرہ میں ظاہر کرتے ہیں عورتیں بھی ظاہر کرتی ہیں تو غرض یہ ہے کہ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ پہلے اکثر لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے مگر ایک مضمون میں شرعی طور پر بتلایا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، عورتوں کو اپنا نام ظاہر کرنے سے شریعت نے نہیں روکا، حضور تحریر فرمائیں کہ یہ طریقہ کیسا ہے اور اخبارات وغیرہ میں عورتوں کا اپنا مضمون اپنے نام سے شائع کرانا کیسا ہے؟

(الجواب) عوارض سے قطع نظر تو یہی جواز کا حکم صحیح ہے، لیکن عوارض کی وجہ سے بعض جائز امور کا ناجائز ہو جانا فقہ میں مشہور ومعروف ہے، اور یہاں ایسے عوارض کا وجود (بظن غالب بلکہ) یقینی ہے اس لئے ضرور اس کو ناجائز کہا جائے گا۔[1]

---

[1] امداد الفتاویٰ ۱۹۹ ج ۴ سوال نمبر ۲۲۳

باب ۲

تصنیف وتالیف کے متعلق ضروری ہدایات

مندرجہ ذیل ہدایات ونصائح کی اہمیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

احکام القرآن کی تصنیف کے بارہ میں حضرت والا (حضرت تھانویؒ) نے احقر کو چند نصیحتیں فرمائی تھیں جو اسی وقت احقر نے ضبط کرلی تھیں، یہ نصائح کیا ہیں، عجیب وغریب اصول ہیں جو ہر تصنیف بلکہ ہر دین ودنیا کے کام میں مشعل راہ ہیں۔[۱]

(ذیل میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وہ نصیحتیں درج ہیں جو حضرت تھانویؒ ان کو فرمائی تھیں اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر جو آپ نے ہدایات فرمائیں وہ بھی درج ہیں)

تصنیف وتالیف میں ضرورتِ وقت اور عبارت کے عام فہم اور آسان ہونے کالحاظ ضروری ہے

(خدمتِ دین کی مختلف صورتوں میں سے) چوتھی صورت تالیف وتصنیف کی ہے خواہ اشتہار ہو یا اخبار ہو یا رسالہ وکتاب ہو، اس میں بھی ضرورتِ وقت کا لحاظ رکھیں اور عبارت میں سلاست اور کفایت کی رعایت ہو۔

اور اگر اللہ تعالیٰ معاش کی کوئی صورت اور سبیل عطا فرمادیں تو اپنی تصانیف کی خود تجارت نہ کرے۔[۲]

---

[۱] اشرف السوانح طبع جدید ص ۱۵۰ ج ۳ اصلاح انقلاب ص: ۲۳

علماء کی تصانیف کے مشکل ہونے کا اعتراض صحیح نہیں

بعض لوگوں کو علماء پر یہ بھی اعتراض ہے کہ ان کی تصانیف دشوار ہوتی ہیں، یہ اعتراض تو محض لغو ہے، کیونکہ احکام جو کہ مقصود ہیں ان کے متعلق تو علماء کی تصانیف سہل ہی ہوتی ہیں بلکہ ایسی سہل ہوتی ہیں کہ بچے اور عورتیں بھی سمجھ لیتی ہیں (مثلاً حضرت تھانویؒ کی کتابیں بہشتی زیور، حیٰوۃ المسلمین، تعلیم الدین اور ملفوظات ومواعظ وغیرہ) باقی رہے دلائل اور علوم دقیقہ (وہ بے شک مشکل ہوتے ہیں ان کا سمجھنا یقیناً دشوار ہوتا ہے لیکن) وہ مقصود ہی نہیں، اور اگر باوجود غیر مقصود ہونے کے کسی کو مرغوب ہو اور اس کے لئے ان کی تسہیل کا مشورہ دیا جائے سو وہ کسی عبارت سے سہل نہیں ہوسکتے بلکہ وہ اصل میں درس وتدریس سے اور بعضے مضامین علماء کی صحبت میں رہنے سے اور بعضے ان سے دریافت کرنے سے حل ہوسکتے ہیں تو یہ اعتراض (کہ علماء کی تصانیف دشوار ہوتی ہیں) محض فضول ہے۔[1]

مشکل اور دقیق علمی مضامین کی تسہیل مشکل ہے

فرمایا دہلی میں مطبع مجتبائی والوں نے ایک مولوی صاحب سے تفسیر بیان القرآن کی تسہیل کرائی ہے سمجھ میں نہیں آیا کہ الفاظ کی تو تسہیل ہوسکتی ہے مگر (علمی اصطلاحات اور) جو مضمون علمی ہیں ان کو سہل کرنے کی کیا صورت ہے، دیکھئے اگر اقلیدس کو کوئی اردو میں لکھے کیا اس کی شکلوں کو بھی جو کہ اثبات ہے خاص دعووں کا اس معنیٰ کر سہل کرسکتا ہے کہ ہر شخص سمجھ لیا کرے۔؟[2]

---

[1] وعظ العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض ص ۱۱۵

[2] ملفوظات حکیم الامت ص ۵۰۴ ج ۱ قسط ۵ ملفوظ نمبر ۱۰۲۱

تصنیف وتالیف سے متعلق چند کوتاہیاں

اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں:

(۱) غیر مفید (مباحث اور) فنون میں تصنیف کرنا۔

(۲) ردوقدح (بحث ومباحثہ) ومجادلہ کو اپنی تصنیف میں معظم مقصود بنالینا۔

(۳) ایسے مباحث لکھنا جن کی ضرورت عوام کو نہ ہو یا عوام کو مشوش (پریشان کرنے والے) مثلاً کلام یا تصوف کے نازک مسائل، اور اگر خواص کو نفع پہنچانے کی ایسی ہی ضرورت ہو تو خاص زبان میں مثلاً عربی میں لکھے کہ عوام الناس کی نظر تک نہ پہنچے۔

(۴) تصنیف کرکے حق تصنیف بیع کرنا۔

(۵) محض تجارت کے لیے عوام کے مذاق کے مطابق تصنیف کرکے اس سے روپیہ حاصل کرنا۔[۱]

قلم کے ذریعہ جھوٹ اور غیبت کا گناہ زیادہ سخت ہے

خوب یاد رکھو! جو حکم زبان کا ہے وہی حکم قلم کا ہے، زبان سے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا جس طرح جائز نہیں قلم سے بھی جائز نہیں، ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے، موٹی سی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمانِ قلب ہے ایسے قلم بھی ہے، جو بات زبان سے منع ہوگی قلم سے کیوں نہ منع ہوگی؟ بلکہ قلم کا گناہ زبان سے سخت ہونا چاہئے کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقاء نہیں، زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے یعنی صرف وہاں تک جہاں تک وہ آواز پہونچے، اگر کسی نے زبان سے غیبت کی تو سننے والے دو چار ہوں گے غیبت کرنے والا اتنے ہی مجمع کے گنہگار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبرو ریزی صرف اتنے ہی مجمع میں ہوئی بخلاف

[۱] حقوق العلم ص:۹۴

قلم کے کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے، جتنے آدمی اس برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا، ہزاروں شخص کے سامنے اس کی آبروریزی ہوگی، تنہائی میں کسی کے جوتہ مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزار دو ہزار کے مجمع میں مارنا اور، اہل قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں جیسے آج کل شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب جائز ہے یہ خیال بالکل غلط ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ بھی غیبت ہے کہ کسی کے مکان میں یا گھوڑے میں یا اولاد میں یا کسی اور چیز میں یا اس کے متعلقات میں سے کسی چیز میں عیب نکالا جائے، یہ ایسی باتیں ہیں کہ آج کل محتاط لوگ بھی اس کا کم خیال رکھتے ہیں۔[1]

مصنفوں، شاعروں، ناول نگاروں کو تنبیہ

ایک اور گناہ بتلاتا ہوں جس کی طرف اچھوں اچھوں کو بھی خیال نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہے، وہ گناہ یہ ہے کہ نظم لکھتے وقت جو کچھ زبان پر آجائے لکھ ڈالتے ہیں اور یہ سمجھ رکھا ہے کہ شاعر جو کچھ کہہ دے جائز ہے، یہ بالکل غلط ہے، شاعر مرفوع القلم نہیں ہوتا بلکہ شعر کا حکم وہی ہے جو نثر کا ہے، اور تحریر کا حکم بھی وہی ہے جو تقریر کا حکم ہے، بھلا کوئی شاعر نظم میں گورنمنٹ کی توہین تو کر دے دیکھئے دست بدست سزا تیار ہے یا نہیں، اس وقت یہ عذر کافی نہ ہوگا کہ میں شاعر ہوں، نہ معلوم کون سے قانون یا عرف یا مذہب کا حکم ہے کہ شاعر زبان کے الزامات سے بری ہوتا ہے، اس مرض میں اچھے اچھے پڑھے لکھے مبتلا ہیں۔

(یاد رکھئے!) نامشروع تحریر کا وہی حکم ہے جو نامشروع تقریر کا ہوگا، اور کسی بات کا لکھنا زبان سے ادا کرنے ہی کے حکم میں ہے تو کتاب میں لکھنا اسی بات کا درست ہے اور اسی مضمون کو دیکھنا بھی درست ہے جس کا زبان سے کہنا درست ہے،

---

[1] دعوات عبدیت ص۵۳ ج۱۷، ۹۷ ج۱۲

توبری کتابوں کا لکھنا اور دیکھنا سب زبان ہی سے بری باتیں کہنے کے حکم میں ہے، جس کا ناجائز ہونا میں نے عقلاً نقلاً ثابت کردیا، لہٰذا یہ مشغلہ چھوڑ دیا جائے، صاحبو! جو بات زبان سے کہی جاوے، لکھی جاوے یا سنی جائے یا پڑھی جائے اس کو سوچ سمجھ کراور خیال کر کے سن کر یا پڑھا یا دیکھا جائے، بہت اہتمام کے ساتھ اس کی عادت کر لینی چاہئے۔[1]

پریس والوں کو تنبیہ

(خلاصہ یہ کہ غلط کتابوں کا) لکھنے والا تو گناہ گار ہوا ہی، پڑھنے والا بھی گنہگار ہوتا ہے اوران کا شائع کرنا چھاپنا بھی گناہ ہے، مطبع (پریس) والوں نے آج کل یہ حیلہ تراش لیا ہے کہ ہم تو اپنی محنت کے دام لیتے ہیں ''راست ودروغ برگردن راوی'' مصنف اپنی تصنیف کا خود ذمہ دار ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی باغی کی کوئی تصنیف کردہ کتاب یا اشتہار بھی چھاپئے اور عدالت میں یہ جواب طلب ہوتو کہہ دیجئے کہ ہم نے اپنی محنت کی اجرت لی ہے ''راست ودروغ برگردن راوی'' مصنف سے جواب طلب کیا جائے، ذرامیں دیکھوں کہ یہ جواب دے کر مطبع (پریس) والے چھوٹ جائیں گے یانہیں، جب ایک دنیا کے حاکم سے نہیں چھوٹ سکتے تو حاکم حقیقی سے (کیسے چھوٹ سکیں گے)۔[1]

لکھنے سے پہلے غرض وغایت پر نظر

لوگوں کواس کی عادت ہی نہیں کہ اپنے افعال واقوال کی غایت کوسوچیں، اگر وہ غایت کوسوچ کر کام کیا کرتے تو معلوم ہوجاتا کہ یہ مناظرہ سراسر مضر اور نقصان دہ

[1] ذم المکروھات ملحقہ اصلاح اعمال ص:۳۹۹، ۴۱۵

ہے، پس یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ کوئی بات زبان سے کہیں یا قلم سے لکھیں اور اس کا کوئی بھی نتیجہ نہ ہو، اسی واسطے دین تباہ ہورہا ہے اور زیادہ وقت فضولیات میں گزر رہا ہے بلکہ مضرات میں۔[1]

کام شروع کرنے کا طریقہ

فرمایا کہ جب میں تصنیف کا کام کرتا تھا تو عادت یہ تھی کہ ہر وقت کاغذ پنسل میرے ساتھ رہتے تھے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کوئی مضمون یاد آ گیا تو فوراً لکھ لیتا تھا، آدھی رات کو کوئی چیز یاد آتی تو لکھ کر سوتا تھا کیونکہ بعض اوقات مضمون ذہن سے غائب ہوجاتا ہے پھر سوچنے سے بھی نہیں آتا۔[2]

مناسب یہ ہے کہ پنسل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اس کا اشارہ لکھ لیا جائے پھر دوسرے وقت ان میں ترتیب دے لی جائے، چنانچہ میری جیب میں پنسل اور کاغذ پڑا رہتا ہے ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔[3]

مسودہ تیار کرنے کا طریقہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب اشرف السوانح لکھنے کے لیے طویل چھٹی لے کر تھانہ بھون میں مقیم تھے چھٹی ختم ہونے کو آ گئی اور کام بہت باقی تھا حضرت (تھانوی) نے فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا تھا کہ مختصر مختصر جو بات سامنے آئے اس کو لکھ ڈالو، پھر جو یاد آتا رہے گا اضافے ساری عمر کرتے رہنا کام اسی طرح ہوتا ہے مگر کوئی بڈھوں کی بات نہیں مانتا۔

---

[1] وعظ جمال الجلیل ملحقہ جزاء وسزا ص: ۴۴ [2] مجالس حکیم الامت ص: ۲۲۸
[3] حسن العزیز ص: ۱۰ ج ۳

جوانی کے جوش میں جب کام لے کر بیٹھتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ سبھی کچھ کر ڈالیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔[1]

حضرت والا کو کسی مضمون کے تحریر فرمانے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی اکثر بڑے بڑے غامض مضامین کو بھی قلم برداشتہ ہی لکھتے دیکھا گیا اور بعد کو بھی اس میں اضافات وترمیمات بھی بکثرت فرماتے رہتے ہیں حضرت نے یہ اطلاع بھی شائع فرمادی کہ جس مسودے پر میرے دستخط نہ ہوں یا جابجا میرے ہاتھ کی اصلاح نہ بنی ہوئی ہو وہ میرا نہ سمجھا جائے۔

حیوۃ المسلمین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا تعب کسی تصنیف میں نہ پڑا ہوگا کیونکہ صرف اس تصنیف میں یہ ہوا کہ اس کے اکثر مضامین کے دو مسودے اور کسی مضمون کے تین مسودے تک لکھنے پڑے۔[2]

یادداشت کاپی اور بیدار مغزی کی ضرورت

جب بہشتی زیور کا دسواں حصہ زیر تالیف تھا جس میں عورتوں کی بے تمیزیوں کا بھی ذکر ہے اس زمانہ میں جب کسی کے گھر تشریف لے جانا ہوتا تو جہاں جو بے تمیزی کی بات دیکھنے میں آتی فوراً اس کو اپنی یادداشت میں لکھ لیتے، اسی طرح مشی (ٹہلنے) وغیرہ میں بھی حضرت والا کا ذہن اکثر فارغ نہیں رہتا بلکہ مشکل مسائل میں غور خوض ہی فرماتے رہتے ہیں، اور جب کوئی بات سمجھ میں آتی ہے اس کو یادداشت (کاپی) میں فوراً تحریر فرمالینے کا انتظام فرماتے ہیں تاکہ ذہن سے نکل نہ جائے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ اسی غرض کے لیے جنگل سے لوٹ آئے اور اس مضمون کو قلمبند فرما کر پھر ٹہلنے کے معمول کو پورا کرنے کے لیے جنگل دوبارہ تشریف لے گئے، اس کا یہ بھی سبب ہے کہ حضرت والا اپنے دماغ پر کسی بات کے یاد رکھنے کا

---

[1] مجالس حکیم الامت ص: ۲۴۶ [2] اشرف السوانح ص: ۴۴ تا ۴۷

بار بلاضرورت کبھی نہیں ڈالتے اور کوئی کام ادھار نہیں رکھتے، چنانچہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ جس وقت جو کام پیش آتا ہے میں اس کو دوسرے وقت پر نہیں ٹالتا فوراً کر ڈالتا ہوں گو اس میں اس وقت تو تھوڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن فراغت کے بعد بالکل بے فکری ہو جاتی ہے اور پھر بڑی راحت رہتی ہے، ورنہ ٹالنے سے پھر کام ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو برابر فکر دامنگیر رہتی ہے اور جتنا وقت گذرتا ہے وہ کلفت ہی میں گذرتا ہے پھر تھوڑی دیر کی تکلیف ہی کیوں نہ گوارہ کر لی جائے۔[۱]

حضرت والا جس زمانہ میں بکثرت کتابیں تصنیف فرماتے تھے اکثر اپنے پاس پنسل اور کاغذ رکھتے تھے اور جس وقت اس کے متعلق کوئی مضمون ذہن میں آتا فوراً اس کو لکھ لیتے بلکہ بعض اوقات رات کو سوتے وقت بھی تکیہ کے نیچے کاغذ اور پنسل رکھ لیتے تا کہ اگر رات کو بھی کوئی مضمون ذہن میں آئے تو فوراً روشنی کر کے اس کے متعلق یادداشت لکھ لی جائے۔[۲]

محنت اور تتبع وتلاش

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض تصانیف میں کوئی بہت ہی مختصر سی بات معلوم کرنے کے لیے بعض کتابوں کو دوسرے مقامات سے بڑا اہتمام اور خرچ کر کے منگوایا اور اس کی مدد سے ایک ذرا سی عبارت لکھ کر ان کو فوراً واپس کر دیا گیا اب ذرا سی عبارت دیکھنے والا یوں ہی پڑھتا چلا جائے گا لیکن اس کو کیا خبر کہ اس کے لکھنے میں کتنا اہتمام کیا گیا تھا۔[۳]

غور وفکر اور دعا

تفسیر بیان القرآن کے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے کے قبل آدھ آدھ

---

۱ اشرف السوانح ص ۴۶ ۲ اشرف السوانح ص ۴۵ ۳ اشرف السوانح ۲/۴۶

گھنٹہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا تب کہیں جا کر شرح صدر ہوا اور جن بعض مقامات کے متعلق پھر بھی شرح صدر نہ ہوا وہاں اس کا اظہار کر دیا اور لکھ دیا کہ اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے چنانچہ تفسیر میں دو مقامات ایسے ہیں ایک سورہ برأت میں ایک سورہ حشر میں۔[1]

انضباط اوقات اور پابندی کی ضرورت

انضباط اوقات میں بڑی برکت ہوتی ہے کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔[2]

حضرت والا انضباط اوقات کے یہاں تک پابند ہیں کہ جب حضرت والا کے استاد مکرم جناب مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا کر مہمان ہوئے حضرت والا نے حضرت مولانا کے لیے راحت و آرام کے سارے انتظامات فرما دینے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا تو نہایت ادب کے ساتھ اجازت حاصل فرما کر تصنیف کے کام میں مشغول ہو گئے، گو پھر دل نہ لگا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد حاضر خدمت ہو گئے لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہ کیا۔[3]

ناغہ کی بے برکتی

ناغہ میں بڑی بے برکتی ہو جاتی ہے چاہے تھوڑا ہی سا ہو لیکن ناغہ نہ کرے، میں بھی جب کوئی مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا بعض روز بالکل فرصت نہ ملی تو برکت کے لیے صرف ایک ہی سطر لکھ لی، اس سے تعلق قائم رہتا ہے ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلقی ہو کر مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے۔[4]

---

[1] ایضاً ص:۴۷ [2] حسن العزیز ۱/۵۴۶ [3] اشراف السوانح ص:۴۶ ج ۲

[4] حسن العزیز ۱/۵۴۶، ملفوظ ع:۵۴۱

تصنیف وتالیف اور کام میں جی نہ لگے تو کیا کریں

جو کام ضروری ہو اس کو کرنا چاہیئے جی لگے یا نہ لگے، یہ تو بری حالت ہے کہ جی لگنے کا انتظار کیا جائے، کیا اپنے جی کی پرستش کرنا چاہیئے، جی کے بندہ ہو یا اللہ کے؟[۱]

ارشاد فرمایا: جس قدر وقت اس کام کے لیے (یعنی تصنیف وتالیف کے لیے) مقرر کیا ہے اس میں کام پابندی کے ساتھ کرنے کا التزام کیا جائے۔

اگر کسی روز طبیعت نہ لگے تو اگر یہ صورت کام شروع کرنے سے پہلے واقع ہو تو پرواہ نہ کی جائے، طبیعت پر جبر کر کے کام کیا جائے، اور اگر وسط میں پیش آئے تو طبیعت کو زیادہ مقید نہ کیا جائے بلکہ کام اس روز چھوڑ دینا چاہیئے، کیونکہ علمی کاموں میں مقصود اصلی اجر ہے اور وہ ہر حال میں حاصل ہے خواہ دل لگے یا نہ لگے، اور عملی کاموں میں اصل مقصود یہ ہے کہ کام مفید اور نافع صورت میں ہوجائے اور یہ بغیر دلچسپی کے حاصل نہیں ہوسکتی، لیکن کام کے اوائل میں دلچسپی نہ ہونے کو عذر سمجھ لیا جائے گا تو کام بھی نہ ہوگا۔[۲]

جس روز کام نہ کرنا ہو اس روز بھی ناغہ نہ کرنا چاہیئے

فرمایا: جس روز کسی ضرورت سے کام نہ کرنا ہو اس روز بھی تھوڑی دیر کام ضرور کرلیا جائے خواہ ایک ہی سطر لکھی جائے تاکہ ناغہ کی بے برکتی سے نجات ہو، استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب کا درس میں یہی معمول تھا کہ اگر کسی دن سبق پڑھانا نہیں ہوتا تھا تو سب جماعتوں کے طلبہ کو ایک ہی وقت میں جمع کر کے ہر سبق کی ایک ایک سطر پڑھا دیا کرتے تھے، اس میں بڑی برکت ہے۔

(حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں) احقر جامع عرض کرتا ہے کہ خود

---

۱ انفاس عیسیٰ ۱/۶۲۵ ۲ اشرف السوانح ۳/۱۵۰ جدید

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا طرز عمل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے جس کی برکت حضرت کے کاموں میں مشاہد ہے۔[1]

دو اہم ہدایتیں

فرمایا: جو مضمون ضمناً واستطراداً آئے اس کو لکھا جائے تو نہایت مختصر لکھیں، بے محل تفصیل سے فائدہ نہیں ہوتا۔

جس مسئلہ فقہیہ پر اہم بحث کرنا ہو اس کا حوالہ کتب فقہیہ سے ضرور ہونا چاہئے، یہ ضروری نہیں کہ خود امام ہی کا قول ہو، بلکہ مشائخ مذہب کے اقوال بھی کافی ہیں۔[2]

کام کا جذبہ اور عملی تقاضا قابل قدر ہے

مولوی شبیر علی صاحب نے جو کہ مثنوی شریف کے روزمرہ کے سبق کو ساتھ ساتھ لکھتے جاتے ہیں گرمی اور ضعف دماغ کی وجہ سے چاہا کہ فی الحال صرف نوٹ لکھ لیا کریں بعد میں شرح لکھ لی جائے، حضرت نے فرمایا کہ سہولت اور مصلحت دیکھ لو، کام میں جب تک عملی تقاضا نہ ہو تساہل ہو جاتا ہے، ابھی تو یہ ہے کہ روز کا سبق روز پورا کرنا پڑتا ہے اگر یہ التزام چھوڑ دیا جائے گا تو پھر عملی تقاضا نہ رہے گا بعد میں پورا کرنا دشوار ہوگا۔[3]

کام کی دھن اور حضرت تھانوی کا حال

فرمایا: کسی کتاب یا تصنیف کے ختم کے قریب مجھ کو بہت تقاضا ہوتا ہے چنانچہ مثنوی شریف کے حصہ ششم کے اخیر ربع کی شرح کو صرف دس دن میں ختم کر دیا حالانکہ اوسط ہر ربع کا ایک مہینہ کا تھا، جس دن ختم کیا ہے اس دن تمام

[1] اشرف السوانح ۳/۱۵۱ جدید [2] اشرف السوانح ۳/۱۵۰ [3] حسن العزیز ۱/۵۴۶

شب برابر لکھتا رہا، اور پھر ظہر کی اذان تک لکھا، یہاں تک کہ ختم کر کے ہی اٹھا آج کل نوجوانوں کی ہمتیں ہی پست ہیں، ورنہ اگر ہمت کریں تو حق تعالیٰ خود مدد فرماتے ہیں، الحمدللہ مجھے کوئی کام دشوار نہیں معلوم ہوتا ہمت کر کے لے بیٹھتا ہوں تو حق تعالیٰ پورا ہی فرما دیتے ہیں۔[1]

حضرت والا کے اندر کام سے جلد فراغت حاصل کرنے کا تقاضا فطری ہے، حضرت والا کے اندر کسی کام کو شروع کر کے اس سے اپنے قلب کو فارغ کرنے کا تقاضا اس شدت سے پیدا ہوجاتا ہے کہ جب تک اس سے بالکل فراغت حاصل نہیں فرمالیتے چین ہی نہیں پڑتا رات دن وقت بے وقت (بہ استثناء امور ضروریہ) اسی کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور اس کو جلد از جلد پورا ہی فرما کر دم لیتے۔

چنانچہ جب کلید مثنوی ختم کے قریب پہنچی تو اس سے فراغت حاصل کرنے کا اس شدت سے تقاضا ہوا کہ اخیر میں دن دن بھر اسی کو لکھتے رہے ایک منٹ کے لیے بھی نہ سوئے اور فجر سے قبل اس کو ختم کر کے چھوڑا اور فرمایا کہ پوری رات جاگنے کا پہلا اتفاق ہوا، خلاف عادت ہونے کی وجہ سے بخار ہوگیا لیکن بخار میں بھی ایک اطمینان کی کیفیت تھی کیوں کہ کام سے فارغ ہونے کے بعد بخار آیا تھا۔[2]

کام تو ایسے ہوتا ہے

حضرت ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اشعار کی شرح حضرت اقدس مدظلہم العالی اس رسالہ میں منظّم فرمانا چاہتے تھے جو ابن منصور کے حالات کے متعلق حضرت اقدس مولانا ظفر احمد صاحب سے لکھوایا ہے، حضرت اقدس کا ہمیشہ سے یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو کام کرنا ہوتا ہے اس کو بہمہ وجوہ پورا کرنے کا سخت تقاضہ قلب میں پیدا ہوجاتا ہے اور جب تک اس کی تکمیل نہیں ہوجاتی طبیعت بے چین رہتی ہے چنانچہ

---

[1] حسن العزیز ۱/۵۴۶ [2] اشرف السوانح ۳/۴۴

مذکورہ بالا اشعار کے ایک بڑے حصہ کی شرح لکھنے کا بھی اتنا شدید تقاضہ ہوا کہ باوجود سخت نقاہت اور طبیب کی ممانعت کے بھی اس کو لگ لپٹ کر ایک ہی دن میں تکمیل کو پہونچادیا ،معالج نے کام چھوڑ کر سوجانے کی تاکید کی ،تو غائبانہ اپنے خدام خاص سے فرمایا کہ جس مصلحت سے کام چھوڑ دینے کے لئے کہا گیا تھا یعنی آرام وہ مصلحت تو بہرصورت حاصل نہ ہوتی ،کیونکہ میری طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو جس وقت تک وہ پورا نہ ہوجائے میں لاکھ سونا چاہوں نیند ہی نہیں آتی ،اگر میں کام چھوڑ دوں تو نیند کیسے آوے گی۔[1]

غلو اور زیادہ کاوش سے احتراز

چوتھا سبب حضرت والا کی کثرت تصانیف کا عدم غلو ہے چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بھی ایک بار یہی رائے ظاہر فرمائی تھی ،حضرت والا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رائے کو نقل فرما کر فرمایا کرتے تھے ،کہ واقعی بالکل صحیح فرمایا زیادہ کاوش سے کچھ کام نہیں ہوتا ،میری نظر تو صرف ضرورت پر رہتی ہے ،ضرورت سے زیادہ کاوش کرنے سے بہت جی الجھتا ہے اسی وجہ سے میری عبارت بہت مختصر ہوتی ہے مگر اظہار مدعا کے لیے کافی وافی ہوتی ہے اور واضح بھی ہوتی ہے بلاضرورت میں ہرگز طویل نہیں کرتا مگر جہاں وضوح کے لیے تطویل ہی کی ضرورت ہو وہاں تطویل سے بھی گریز نہیں کرتا۔[2]

سلف صالحین کی مخالفت اور ان سے بدگمانی کرنے سے احتراز

۱- فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض وتنقیص کی

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ج۵ص۲۰۵ قسط۲ [2] اشرف السوانح ۳/۴۵

آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔ ۱؎

میں نے بیان القرآن میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ تفسیر تو وہی لکھی جو خود میری سمجھ میں آئی لیکن جب تک اس کی تفسیر سلف صالحین کی تفاسیر سے نہیں ملی، اس پر اطمینان نہیں کیا اس التزام میں وقت بھی بہت صرف ہوا اور ہر مقام کے لیے بہت سی تفاسیر کو دیکھنا پڑا، اور دیکھنے والوں کو اس کی خبر بھی نہیں اور جہاں اپنی تفسیر کی کوئی صریح تائید سلف سے باوجود تلاش کے نہیں ملی وہاں بھی رکھا میں نے اپنی ہی تفسیر کو لیکن اس کے آگے یہ لکھ دیا کہ ہذا من المواہب، اس صورت میں تفسیر بظاہر تو سلف کی تفاسیر سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ سرتاسر خود حضرت والا ہی کی تفسیر ہے۔ ۲؎

سلف وخلف کا فرق اور عمدہ مثال

محققین کی نپی تلی بات ہوتی ہے کم فہموں کی سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہیں اور گمراہ ہوتے ہیں بعض سلف کا یہی قصہ ہوا کہ ان کا کلام لوگوں کی سمجھ میں آیا نہیں اس لئے ان پر کفر تک کے فتوے دیئے گئے حالانکہ جو سلف کی تحقیق ہے وہ خلف کو نصیب بھی نہیں، سلف کے ہر ہر لفظ میں علوم بھرے ہوئے ہیں، خلف کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی لکڑی پر طول وعرض میں رندہ کرتا ہے، اور سلف کی مثال ہے برمے کی مانند کہ لکڑی کے عمق میں گھستا ہے، علم سلف ہی کا بڑھا ہوا ہے گو معلومات بعض خلف کے زیادہ ہوں، اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کی نگاہ تو ایسی تیز ہے کہ حجرہ میں بیٹھا ہوا دن کو ستارے دیکھ رہا ہے گو میدان میں نہ ہونے سے زیادہ ستارے نہیں دیکھتا، اور ایک شخص ضعیف نگاہ والا ہے کہ دن کو تو ایک ستارہ بھی نظر نہیں

۱؎ الافاضات ۲۶۵/۲ ۲؎ اشرف السوانح: ۴۷

آتا، رات کے وقت میدان میں ہے اور بہت سے ستاروں کو دیکھ رہا ہے، سو مبصرات تو

اس ضعیف نگاہ والے کے زیادہ ہوں گے مگر ابصار اس کا زیادہ ہوگا، یہی حال سلف وخلف کا ہے کہ خلف کی معلومات گو زیادہ ہیں، مگر سلف کا علم زیادہ ہے۔[1]

ایک اہم بات

فرمایا کہ آج کل اکثر اس کو کمال سمجھا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ قلم ہاتھ میں اٹھا کر تمام مضمون کو لکھ جائے دوبارہ صاف کرنے کی ضرورت نہ ہو، قاضی ارحم تھانوی کہتے تھے کہ ایک شخص ریاست بھوپال میں بڑے عہدہ داروں میں تھے وہ ایک ہی مضمون پر کئی کئی مسودہ لکھتے تھے اور اہل کمال میں ان کا یہ کمال مشہور تھا کہ ذہن ترقی کرتا ہے اس لئے تغیر وتبدل کثرت سے ہوتا ہے، ذہن میں جمود نہیں عجیب بات ہے۔[2]

اصل مضمون اور مسودات کو محفوظ رکھنا

حضرت والا مثل دیگر امور ضروریہ کے اپنی تصانیف کے متعلق بھی احتیاط اور اہتمام کا التزام رکھتے ہیں چنانچہ ہر چھوٹی بڑی تصنیف یا تحریری مضمون کے ناموں کی بالالتزام اپنے پاس یادداشت رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہتے ہیں، مکمل فہرست محفوظ رکھنے کی بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ اس صورت میں کوئی تصنیف غلط طور پر حضرت والا کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حضرت والا نے ایک عام اطلاع شائع فرمادی کہ جس مسودے پر میرے دستخط نہ ہوں یا جابجا میرے ہاتھ کی اصلاح بنی ہوئی نہ ہو وہ میرا نہ سمجھا جائے۔[3]

---

[1] حسن العزیز ص ۱۰۲ ج ۳ [2] ملفوظات حکیم الامت ص ۷۱ ج ۴ قسط ۲ ملفوظ نمبر ۳۶۹
[3] اشرف السوانح ص: ۴۸

لوگوں کی آمدورفت کی کثرت کی وجہ سے کام کا نقصان ہوتو کیا کرنا چاہئے

فرمایا: ایک مرتبہ مجھ کو خیال ہوا کہ تنہائی ہواور اللہ اللہ ہو، اس کے لیے جنگل تجویز کیا گیا کہ ایک جھوپڑی بنا کر اس میں رہوں گا اس لیے کہ بستی میں رہنے سے ہجوم کے سبب دل گھبرا جاتا ہے (کام کا نقصان ہوتا ہے)، اس لیے میں نے حضرت مولانا گنگوہی سے دریافت کیا مگر حضرت نے دو وجہ سے اس کی اجازت نہیں دی، ایک تو یہ کہ اس میں شہرت زیادہ ہوگی، دوسرے یہ کہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے خلاف ہے، میں نے عرض کیا کہ نقصان یہ ہے کہ آنے والے بہت پریشان کرتے ہیں اور کام نہیں کرنے دیتے، اب اس کی دوصورتیں یہ ہیں کہ اگر ان کی طرف التفات کیا جائے تو اپنے کام کا حرج ہوتا ہے، اور التفات نہ کیا جائے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے، فرمایا کہ سب کو جھاڑ و ماردو، (کسی کی پرواہ نہ کرو) اور اپنے کام میں لگو، مطلب یہ ہے کہ ان کی دل شکنی کو دیکھیں یا اپنی دین شکنی کو، بزرگوں کے مشورہ میں بڑی برکت ہوتی ہے۔[1]

(حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا معمول ہے کہ) اگر کبھی تعویذ مانگنے والوں کا ہجوم ہونے لگتا ہے تو بالکل موقوف کردیتے ہیں۔[2]

---

[1] معمولات اشرفی ص:۲۷

[2] الافاضات الیومیہ ملفوظ ۵۴۴ ماخوذ از حیرت انگیز واقعات:۶۵۴

اسلاف ومتقدمین کی کتابوں کی مقبولیت

اوران کے وقت میں برکت کا سبب

علماء متقدمین کے علم وفضل اوران کی تحقیق اورعبادات کا ذکر ہورہا تھا کہ انہوں نے ایسی بڑی بڑی تصنیفات کی ہیں کہ عادتاً اس قلیل عمر میں ایسا ہونا دشوار ہےاور پھر یہ کہ عبادات بکثرت کرتے تھے مثلاً وہ یومیہ سورکعت سے زیادہ پڑھتے، تلاوت بہ بکثرت کرتے تھے، ان کی تصنیفات کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ یہ کام اس قلیل عمر میں انہوں نے کیسے کیا ہوگا، آج کوئی مذہب والا ایسی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔

فرمایا: یہ حال تھا ان حضرات کا، لوگوں نے ایسے حضرات کو بدنام بھی بہت کیا ہے، بیجاالزامات بھی قائم کئے ہیں اور جتنا کوئی محقق ہوگا، اتنا ہی بدنام ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی نظر گہری ہوتی ہے لوگ وہاں تک پہنچتے نہیں، بظاہر اس کی باتیں ان کو خلاف معلوم ہوتی ہیں، اس لئے کفر تک کے فتوے قائم کردیتے ہیں اسی لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں، مگر کیسے لوگ تھے کہ ایسے بڑے بڑے کام کئے ہیں، ہم لوگ اگر دوسورکعت نفل پڑھیں تو اورسب کاموں کو چھوڑ دیں تو ایسا کرسکتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالم ارواح سے مناسبت ہوجاتی ہے تو وہ زمان ومکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا، اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے، یہ حضرات متقدمین ایسے ہی تھے، اوراس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے۔[1]

---

[1] حسن العزیز ص۱۹۶ ج۳

اہل تصنیف کو تقویٰ اور احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے

صاحب ہدایہ کی کتاب مقبول ہونے کی وجہ

(یہ سب ان حضرات کے خلوص وللّٰہیت کی برکت تھی) ان حضرات کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ صاحب ہدایہ کی تصنیف جب تک پوری نہیں ہوئی وہ برابر روزہ رکھتے تھے اور طرفہ یہ کہ کسی کو روزہ رکھنے کی خبر نہیں ہوتی، خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھی ہوگی، برابر روزہ رکھنا اور کسی کو خبر نہ ہونا کس قدر اخلاص کی بات ہے، مردانہ مکان میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ لونڈی (باندی) مکان سے کھانا لاتی تھی اور رکھ کر چلی جاتی تھی جب کوئی مسافر نا آشنا سامنے سے گذرتا اس کو وہ کھانا دے دیتے تھے، لیکن چونکہ اپنے مخصوصین سے پردہ نہیں ہوتا اس لیے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کبھی خاص لوگوں سے ذکر فرمایا ہوگا اس لیے ہم تک منقول ہوا، اس خلوص کی برکت سے ان کو نور فہم عطا ہوا ہے۔ (اور ان کے خلوص کی برکت ہے کہ کتاب اتنی مقبول ہوئی)۔[1]

حضرت تھانویؒ کا تقویٰ

فرمایا میں نے اپنے لوگوں کو ممانعت کردی تھی کہ تصنیف کے کمرہ میں جہاں میں تنہا ہوں کسی نوعمر (امرد) لڑکے کو نہ بھیجا کریں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ خانقاہ کے سب لوگ لڑکوں سے پرہیز کرتے ہیں۔[2]

عشق مجازی سخت ابتلا کی چیز ہے اس سے بچنا چاہئے، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس معاملے میں خود اپنا اعتبار نہیں، اور میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جو شخص مجھ کو بڑا سمجھتا ہو اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہو اس کے لئے یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں جب اس کی یہ حالت ہے تو ہمیں تو بہت احتیاط رکھنا چاہئے۔[3]

---

[1] دعوات عبدیت ۳۲/۳ ذم ہوی [2] مجالس حکیم الامت ص ۶۲ [3] حسن العزیز ص ۲۸

اتنا تقویٰ تو بہر حال ضروری ہے

تقویٰ کے لئے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے اور وہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ مامورات کو بھی بجالائے، کیونکہ ترک مامور بھی معصیت ہے، اس کا ترک بھی تقویٰ کے لئے ضروری ہے۔

میں تقویٰ کے لئے آپ کو ایک گر بتلاتا ہوں اس کو یاد رکھئے! وہ یہ کہ گونوافل اور ذکر شغل زیادہ نہ ہو مگر ترک معاصی ومناہی کا (یعنی گناہ سے بچنے کا) زیادہ اہتمام کرو ،حدیث میں ہے، **لاتعدل بالرعة** (ليس الورع كالكف) گناہوں سے رکے رہنا سب سے بڑا تقویٰ ہے۔[1]

آلاتِ علم کاغذ قلم وغیرہ کا ادب

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے، جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لئے لگالیا جاتا تھا، فوراً گھبرا کر باہر آ گئے، اور دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطہ کو علم کے ساتھ ایک تلبّس ونسبت ہے اس لئے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں، یہ تھا ان حضرات کا ادب جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے تھے۔[2]

آج کل تو اخبار ورسائل کی فراوانی ہے ان میں قرآنی آیات، احادیث، اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، **العیاذ بالله العظیم** ،معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔[3]

---

[1] التبلیغ ص۱۳۲، ۱۴۱ [2] مجالس حکیم الامت ص۲۸۱ [3] مجالس حکیم الامت ص۲۸۱، ۲۸۶

(حضرت تھانویؒ کے پاس) ایک چمڑہ کا بیگ تھا، کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑہ میں لفظ (محمد اشرف علی) کندہ کرادیا تھا اس کا حضرت (تھانوی) اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے۔[1]

آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا، مولانا احمد علی سہارنپوری نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلباء بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے، کیونکہ خلاف ادب ہے اور صورۃ جوتوں کو فوقیت دینا ہے کتب دینیہ پر۔[2]

ایک لفافہ پر روشنائی گرگئی تھی تو اس پر یہ لکھ دیا کہ ''بلاقصد روشنائی گرگئی'' اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لئے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔[3]

مصنف کے قلب کی ظلمت اس کی کتاب تک سرایت کرتی ہے جو کتاب کے واسطے سے پڑھنے سننے والوں تک بھی اثر انداز ہوتی ہے

ایک باریک بات یہ ہے کہ کسی کا کلام یا کتاب سننے یا دیکھنے سے اس کے مصنف کا خفی اثر قلب پر پڑتا ہے، گو وہ کتاب ظاہراً کیسی ہی ہو، حتی کہ ایک بزرگ کسی کے مکان پر گئے تھے پوچھا کہ یہاں بڑی ظلمت محسوس ہوتی ہے کیا بات ہے؟ صاحب خانہ نے کہا کہ یہاں ظلمت کی کوئی وجہ نہیں، یہاں قرآن شریف کی تفسیر رکھی

---

[1] حسن العزیز ۳۲۲ ج ۴ [2] الافاضات الیومیہ ص ۳۲۴ ج ۹ [3] الفصل للوصل ص ۱۹۷

ہے پوچھا کون سی تفسیر ہے؟ کہا کہ تفسیر کشّاف ہے، کہا کہ یہ اسی تفسیر کی ظلمت ہے کیونکہ یہ ایک معتزلی کی تصنیف ہے، دیکھئے مصنف کی قلبی ظلمات اس کتاب میں موجود تھیں، اسی طرح مصنف کے قلبی انوار بھی اس کی تصنیف میں موجود ہوتے ہیں، پرانے عام لوگوں کے قلوب میں اتنی ظلمات نہ تھیں جتنی آج کل کے قلوب میں ہیں، اس واسطے ان کی نامناسب تصنیف میں بھی اتنی برائی نہیں جتنی آج کل کی تصانیف میں ہیں، بلکہ ایسے لوگوں کی تصانیف جو اہل دل تھے مطلق ظلمت نہیں رکھتیں گو ان میں کیسا ہی نامناسب مضمون ہو، دیکھئے ''یوسف زلیخا'' جامی کی کیسی کتاب ہے، بعض جگہ اس میں ظاہراً حسن وعشق کے مضامین ہیں خصوصاً زلیخا کا سراپا لکھنے میں تو ذرا بھی کوتاہی نہیں کی گئی، مگر آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ اس کو پڑھ کر کسی پر برا اثر پڑا ہو، یوسف زلیخا پرانے مکتبوں میں داخل درس تھی اور اب تک بھی ہے، مگر اس کے پڑھنے والوں میں سے کسی پر بھی بے حیائی کا اثر نہیں پڑا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ تصنیف ایک اہل دل کی ہے جن کا قلب نہایت سلیم تھا، ان کی سلامت قلب ان کے کلام کے اندر موجود ہے۔

خوب یاد رکھئے کہ جب کوئی کتاب دیکھنا ہو تو اول اس کے مصنف کے حالات معلوم کر لیجئے، جس مذاق کا وہ ہوگا وہ مذاق اس کتاب سے دیکھنے والے میں ضرور متعدی ہوگا یہ بڑے کام کی بات ہے، آج کل کے ناول نویس خود اخلاق ذمیمہ سے بھرے ہوئے ہیں، ان کی کتابیں خواہ کسی پیرایہ میں ہوں، ان کے اخلاق کو کتاب کے دیکھنے والوں میں ضرور پہنچا دیتی ہیں، یہ راز ہے اس کا کہ ناول لکھے جاتے ہیں تہذیب اور اخلاق کے لئے اور ہوتی ہے تخریب اخلاق۔[1]

---

[1] ذم المکروہات ملحقہ اصلاح اعمال ص:۴۰۶

حضرت تھانویؒ پر علوم وحقائق کے منکشف ہونے اور آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کی خاص وجہ

ان علوم وحقائق کے انکشاف پر تحدث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کہ یہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اوراس کی دین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہوجاتے ہیں جس کا ظاہری سبب جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے یہ ہے کہ میں نے بزرگوں (اور اساتذہ) کا ادب اوران کی اطاعت ہمیشہ کی ہے،اوران کی زلّات (لغزشوں) پر کبھی نظر نہیں کی ،اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا،وعظ میں تو سب کی غلطیوں کا رد بلا اظہار نام کردیتا تھا لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا اوردل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں۔۔۔۔۔غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ادب ہی کیا ہے،کبھی ان کا دل نہیں دکھایا بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں، یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے بوجہ اختلافِ مشرب قطع تعلق تک کرنا پڑا کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا،مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا۔۔۔۔غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا اوران کی دعائیں لیں،ان دعاؤں ہی کی برکت ہے جو آج یہ مفید مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں اور واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ایمان ضعیف کے۔

اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری مگر (وہ بزرگ) اللہ اللہ کرنے والے ہوں خواہ کسی مشرب کے ہوں،حتیٰ کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں اس حالت میں ان کا اتباع تو نہ کرے لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے۔حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہیں سمجھا حالانکہ وہ صرف بت پرست ہی نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کونصیحت کرتے ہیں تو یاابت یاابت کہہ کر خطاب فرماتے ہیں یعنی اے میرے ابّا اے میرے ابا یہ ادب نہیں تو کیا ہے۔

اور ادب میں کچھ باپ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بڑی عمر کا کوئی آدمی ہو سب کا ادب چاہئے، لیکن خلاف شرع امور میں ان کا اتباع نہ کرنا چاہئے اور جن کا اتباع مامور بہ ہے ان کے اس حق میں بھی ترتیب ہے یعنی سب سے زیادہ باپ کا حق ہے پھر استاد کا پھر پیر کا اور لوگوں میں اس کا عکس مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ پیر کا حق ہے پھر استاد کا، پھر باپ کا، بیچارے باپ کو سب سے اخیر میں رکھا جس نے چھوٹے سے بڑا کیا۔

غرض میری تحقیق یہی ہے کہ حقوق کے لحاظ سے پیر حقِ اطاعت میں سب سے اخیر میں ہے اور باپ سب سے مقدم ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حق میں محنت و پرورش کو بھی خاص دخل ہے، چنانچہ حق تعالیٰ نے (جہاں) ماں باپ کا حق بتایا ہے وہاں پرورش اور مشقت کا بھی ذکر کیا ہے فرماتے ہیں **وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ** اور فرماتے ہیں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا اور اس مشقت و پرورش میں والدین کا بڑھا رہنا ظاہر ہے اس لئے باپ کا حق استاد اور پیر کے حق سے مقدم ہے، اس کے بعد پیر سے زیادہ مشقت استاد نے کی ہے وہ بھی پیر سے مقدم ہوگا اور سب سے کم مشقت پیر کو ہوئی اس کا حق سب سے مؤخر ہوگا۔[1]

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ص ۳۱۰ ج ۴ قسط ۴ ملفوظ نمبر ۲۸۱

فصل

کتابوں کے نام نرم اور معنی خیز رکھنا چاہئے

فرمایا: میں نے اپنی کتابوں کے نام نرم رکھے ہیں، چھیڑ چھاڑ کا نام اچھا نہیں کتاب کا نام نرم رکھنا چاہئے، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے جس کتاب کو دیکھنا چاہو تو پہلے دیکھو کہ نام کیسا ہے اگر نام مناسب نہیں ہے تو کتاب مت دیکھو، پھر تمہید دیکھو اگر تمہید اچھی نہ ہو تو پھر اس کو چھوڑ دو۔

سخت نام رکھنے میں شریعت پر خشونت کا حرف آتا ہے حالانکہ شریعت بڑی شفقت ورحمت کی چیز ہے بعض کتابوں کے نام ہیں، "شریعت کا لٹھ"، شریعت کا آرہ۔[1]

فرمایا: کتابوں کے نام بعض لوگ تو بالکل ہی مہمل رکھ دیتے ہیں ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی اس میں کلمات کفریہ جمع کئے ہیں، اور نام رکھا ہے "توپ گالی الٰہی"، یعنی خدا تعالیٰ کو برا کہنے اور کفر بکنے کی وعید۔[2]

بعض مصنفین کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیوں اس شخص نے تکلیف اٹھائی اور وقت بیکار کھویا نام تک رکھنے کا سلیقہ نہیں آج کل تو ہر شخص مصنف بنا ہوا ہے۔[3]

حضرت شاہ ولی اللہ نے کہیں وصایا میں لکھا یا ہے کہ اگر کوئی کتاب دیکھنا ہو تو پہلے اس کا نام دیکھو مناسب ہے یا نہیں اگر نام مناسب نہ ہو تو وقت ضائع نہ کرو۔[4]

اہم ملفوظات، فتاوی یا کسی مضمون کا نام رکھنا

میں ملفوظات کے بھی نام رکھ دیتا ہوں، چاہے چھوٹا ہی ذخیرہ ہو اور فتوی ہو یا کچھ، غرض جو مضمون اہم ہوتا ہے اس کا نام رکھ دیتا ہوں اس طرح کرنے سے اس کا حاصل کرنا سہل ہوتا ہے، مثلاً اگر چھپ گیا تو منگانا سہل، حوالہ دینے میں آسانی ہوتی ہے اگر کسی اور مضمون میں اس کے حوالے کی ضرورت ہو تو سہولت ہوتی ہے۔[5]

---

[1] حسن العزیز ۳/۱۷۷ [2] الفصل للوصل وغیرہ ص:۴۱۰ [3] الافاضات:۲۲ [4] الفصل للوصل ص:۲۱۰
[5] الفصل للوصل ص:۲۱۰

چند نمونے

(خواجہ عزیز الحسن صاحب فرماتے ہیں:) احقر نے جب ملفوظات وواقعات قلم بند کرنا شروع کیا تو فرمایا کہ نام کیا رکھئے گا؟ عرض کیا کہ حضور ہی تجویز فرمادیں فرمایا کہ مجھے تو ایسا نام نہیں رکھنا چاہئے لیکن ذہن میں ایک نام بہت اچھا ہے آپ کا نام عزیز الحسن ہے آپ کی تصنیف کا نام حسن العزیز یعنی اپنے عزیز کا حسن کیونکہ اصل حسن تو یہی باتیں ہیں۔[1]

نام تو ایسے پرلطف اور بامعنی تجویز فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ، احقر نے ایک انتخاب مثنوی شریف کا کرنا شروع کیا تھا جس کے ایک حصہ میں سوز وگداز کے عاشقانہ اشعار تھے اور دوسرے میں پندونصیحت کے اشعار جمع کرنے کا ارادہ تھا، حضرت نے فرمایا پہلے حصہ کا نام ''برق مثنوی'' ہوگا کیونکہ ان میں عاشقانہ اشعار ہوں گے، اور دوسرے کا ''رعد مثنوی'' کیونکہ نصیحت آمیز اشعار ہیں، تہدید وترہیب ہوتی ہے جو رعد کے مناسب ہے اور مجموعہ کا نام سحاب مثنوی ہوگا جس میں برق ورعد دونوں ہوتے ہیں، اور ٹائٹل پر یہ آیت لکھی جائے ''فیہ ظلمات ورعد برق'' اور جو نیک اثر ان دونوں قسم کے اشعار کا ہوگا وہ گویا باران رحمت ہوگی۔[2]

حضرت تھانویؒ کی نظر میں چند علمی وفقہی اور تحقیقی کام کی ضرورت

فرمایا: میں نے چاہا تھا کہ جو نئی صورتیں معاملات بیع وشرا اور دیگر ذرائع معاش کی اس زمانہ میں پیدا ہوگئی ہیں ان کے جواز وعدم جواز کے متعلق شرعی احکام مدون کئے جاویں، اور اس مجموعے کا نام بھی میں نے حوادث الفتاوی تجویز کردیا تھا۔

ان فتاوی کی تدوین کے لیے میں نے یہ صورت تجویز کی تھی، کہ ہر قسم کے اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کی صورتیں مثلاً تاجر، تجارت کی صورتیں اہل زراعت، زراعت کی صورتیں، ملازم، ملازمت کی صورتیں لکھ لکھ کر میرے پاس

---

[1] حسن العزیز ۱/۱۷ [2] حسن العزیز ص:۱۷

بھیجیں۔ چنانچہ میں نے اپنے عام بیانات میں بھی اور خاص گفتگو کے موقع پر بھی اس کی ضرورت کو ظاہر کیا اور وعدے بھی لے لئے لیکن افسوس کہ کسی نے میری مدد نہ کی، پھر بھی کچھ نئی صورتوں کے احکام میں نے بطور خود ہی نیز سوالات وصول ہونے پر لکھے جو حوادث الفتاوی کے نام سے شائع ہو چکے ہیں لیکن وہ بہت چھوٹا سا مجموعہ ہے جو زیادہ صورتوں کو حاوی نہیں ہے اور ضروریات کے لیے کافی نہیں مگر اس کے مطالعہ سے کم از کم یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ معاملات کی جتنی نئی صورتیں ہیں ان سب کے احکام فقہاء کے کلام میں موجود ہیں، کیونکہ وہ حضرات کلیات ایسے مقرر فرما گئے ہیں کہ انہیں سے نئی صورتوں کے احکام بسہولت نکل سکتے ہیں، یہ ان حضرات کی عجیب کرامت ہے اور اس سے ان کے کلام کا جامع ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔[۱]

فقہ سے متعلق جدید رسالہ کی ضرورت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایک رسالہ ایسا اور لکھا جاتا کہ جس میں ہر پیشہ ور کے معاملات کے احکام کو اس میں شرعی حیثیت سے بصورت مسائل بیان کر دیا جاتا تو بڑی سہولت ہو جاتی، اس لیے کہ لین دین وغیرہ میں آج کل نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اکثر احکام شرعیہ کے خلاف عملدر آمد ہو رہا ہے، اور ان سے اجتناب کرنے کو لوگ دشوار سمجھتے ہیں۔ (اس رسالہ سے) یہ سب مشکلیں حل ہو جاتیں۔

فرمایا: آپ آج کہہ رہے ہیں میں نے ایک عرصہ ہوا اس وقت چاہا تھا کہ سب اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوال کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دے دیں چاہے وہ تجارت پیشہ ہوں یا زراعت پیشہ یا ملازمت پیشہ وغیرہ وغیرہ، میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کر دوں گا، اور احکام بتلا دوں گا، مگر کسی نے

[۱] الافاضات الیومیہ ۹/۴۰۴، قسط: ۲، ملفوظ ۲۳۱

میری مدونہ کی، بڑے کام کی کتاب ہوتی۔

اسی کے متعلق میں نے حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا تھا کہ اگر کثیرۃ الوقوع معاملات پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتوی دیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں، اس سے بہت ہی قوت ہوگئی تھی، کہ اب تو کوئی مانع ہی نہیں رہا، لیکن میں خود اس لیے نہیں لکھ سکا کہ مجھ کو معاملات یا واقعات ہی کی خبر نہیں اس لیے اگر تجارت پیشہ وزراعت پیشہ، اہل صنعت وحرفت یہ سب ان چیزوں کے متلعق واقعات بصورت استفتاء جمع کر کے دے دیتے تو میں سوال وجواب کی صورت میں ان کے احکام جمع کر دیتا، اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعی کے مذہب پر فتوی دے دوں گا، امام مالک کے مذہب پر فتوی دے دوں گا، امام احمد بن جنبل کے مذہب پر فتوی دے دوں گا اور ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی تو ان کی سہل تدبیر بتلا دوں گا کہ یوں کر لیا کرو، جس صورت سے جواز نکل آتا اور اگر کوئی بات سمجھ ہی سے باہر ہوتی تو اس کا علاج نہیں، معذوری ہے۔

اور اب اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں رہی ضعف کے سبب تحمل نہیں، تکلیف ہوتی ہے، اب ایسا کام نہیں ہوتا، یوں متفرق کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں، ان میں بعض کام تو ایسے درپیش آجاتے ہیں کہ ان میں محض نقل کی ضرورت ہوتی ہے وہ تو ہوجاتے ہیں باقی جن میں فکر وغور کی ضرورت ہوتی ہے ان سے ہمت کو قاصر پاتا ہوں۔

بڑے بڑے کام اور بڑی جگہوں میں ہورہے ہیں، میں نے تو چھوٹے چھوٹے کام لیے ہیں، یہی ہوجایا کریں غنیمت ہے، اور یہ وہ کام ہیں جن کو کوئی نہیں کر رہا ہے، میں نے یہاں درس وتدریس کو نہیں بڑھایا اس لیے کہ مدرسہ دیوبند و سہارنپور موجود ہیں، اور وہاں یہ کام بہت بڑے پیمانہ پر ہورہا ہے، اسی لیے میں نے

یہاں کا نصاب محدود کر دیا ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے بعض کام یہاں اس درجہ کے ہورہے ہیں کہ باسامانوں کے یہاں نہیں ہورہے ہیں، یہ سب اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت ہے اور یہی دعا ایک چیز ہے جو میرے پاس ہے ورنہ جو میری حالت ہے اور جیسے میرے اعمال ہیں، ان کو میں ہی خوب جانتا ہوں۔[1]

جدید علم کلام کی ضرورت

اسی طرح متکلمین نے جو علم کلام مدون کیا ہے اس میں سب کچھ موجود ہے کیوں کہ ان ہی کے مقرر کردہ اصولوں پر سارے شبہات جدیدہ کا جواب دیا جاسکتا ہے اور اسی ذخیرہ سے کلام جدید کی بھی تدوین بآسانی ہوسکتی ہے۔

چنانچہ میں نے اس کی تدوین کا بھی قصد کیا تھا اور علی گڑھ کالج میں جب میرا بیان ہوا تھا تو میں نے وہاں کے طبقہ سے خاص طور پر کہا تھا کہ آپ صاحبوں کو جو جو شبہات ہوں ان کو لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے، اس کی یہ سہل صورت بھی میں نے تجویز کر دی تھی کہ مسجد میں ایک رجسٹر رکھ لیا جائے، اور ہر اتوار کو جہاں بہت سے اور کام کرتے ہیں ایک یا دو سوال اس رجسٹر میں بھی لکھ دیا کریں پھر جب ایک معتد بہ تعداد ہو جایا کرے تو ان سوالات کی نقل یا اس رجسٹر ہی کو میرے پاس بھیج دیا کریں، میں ان ہی سوالات کا جواب لکھوں گا لیکن اتنے بڑے مدعی ہونے کے باوجود ایک خط بھی تو نہیں آیا، بس اہل رائے باتیں ہی بگھارتے ہیں، اور عمل کے نام پر صفر ہے کوئی خود کچھ نہیں کرتا اور علماء پر الزام ہے کہ یہ کچھ نہیں کرتے، علماء کو یوں چاہئے، علماء کو یوں چاہئے، ارے بھائی تمہیں بھی تو کچھ چاہئے یا سب علماء ہی کو چاہئے۔

غرض ان جنٹلمنوں سے تو مجھے تو کوئی مدد ملی نہیں لیکن میں نے بطور خود ہی ان

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ۳/۱۳/۳۱۴ قسط:۴ ملفوظ:۶۴۲

کے بعض ایسے شبہات کے جن کا مجھ کو علم تھا جوابات لکھ کر ''الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ'' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

اور اس میں میں نے اصول موضوعہ قائم کر دیئے ہیں جن سے میرے نزدیک اس قسم کے جتنے شبہات بھی پیدا ہوں بسہولت دفع کئے جا سکتے ہیں۔[1]

کام کے لوگ اب بھی موجود ہیں اور کر سکتے ہیں

کام کے لوگ تو موجود ہیں مگر کام نہ کریں تو اس کا کیا علاج، آرام طلبی سے تو کام نہیں ہوتا کام تو کام کرنے سے ہوتا ہے، وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ گو میرا دماغ بیکار تھا لیکن چونکہ کام کرنے کا تقاضا میرے قلب میں تھا اس لیے کچھ نہ کچھ کر ہی لیا، اور میں نے آرام بھی اوروں سے زیادہ کیا ہے اور مشقت بھی اوروں سے زیادہ اٹھائی ہے، آرام کا استعمال تو بے شک میں نے کیا لیکن اس کا زیادہ اہتمام نہیں کیا۔ باقی اب تو قوت ہی نہیں رہی لیکن الحمدللہ امنگ اور تقاضا قلب میں اب بھی ویسا ہی ہے بلکہ زیادہ ہی ہے۔

اگر کوئی کام اب بھی ایسا آ جاتا ہے جس کا کرنا میرے نزدیک ضروری ہوتا ہے تو اس کو کسی طرح لگ لپٹ کر بہت جلد پورا کر لیتا ہوں، اور جب تک پورا نہیں کر لیتا چین نہیں آتا برابر اس کا خیال لگا رہتا ہے گو بعد کو بہت تکان محسوس ہوتا ہے، غرض میں تو جیسا مجھ سے بھلا برا ہو سکا دین کی ضروری خدمت کر چکا جو جی میں آیا اللہ نے پورا کرا دیا، لیکن اب جو اور کام باقی ہیں اس کو اور لوگ کریں، کیا وہ نہیں کر سکتے؟ ضرور کر سکتے ہیں اور مجھ سے اچھا کر سکتے ہیں، لیکن اگر خواہ مخواہ واجد علی شاہ بن جائیں تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں۔

اسی سلسلہ میں فرمایا: سچ جانئے کہ اس کا تو مجھے وسوسہ بھی نہیں کہ یہ جو کچھ کام

---

[1] افاضات الیومیہ ۹/۴۰۵ قسط:۲، ملفوظ:۲۳۱

میں نے کئے ہیں وہ اعمال صالحہ ہیں بلکہ یہ ڈر رہے کہ ان پر مؤاخذہ نہ ہو، الحمدللہ مجھے کبھی ناز نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ یہی فکر رہی کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی، چنانچہ میں نے اپنے اہل علم احباب کی ایک کمیٹی بنائی تھی اوران کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میری ساری تصانیف کو جوان میں غلطیاں ہوئی ہیں ان کو جمع کرلیا جائے اور مشوروں کے بعدان کی تصحیح شائع کردی جائے، اور جو میں فتوی لکھوں اس کو بھی دیکھ لیا جائے، اس کمیٹی کے لیے میں نے ایک مہر بھی بنوائی تھی جواب تک موجود ہے، یہ انتظام میں نے اپنے اطمینان کے لیے کیا تھا کیونکہ اپنی لیاقت تو مجھے معلوم ہے جیسی ہے۔

جب مولانا خلیل احمدؒ نے سنا تو فرمایا کہ خیر کتابوں پر تو میری نظر نہیں لیکن وعظ تو میں نے بہت سنے ہیں، وعظ میں تو کہیں کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہوئی، حالانکہ وعظ میں تو جو کچھ کہا جاتا تھا بے سوچے کہا جاتا تھا، اور کتابوں میں تو جو کچھ لکھا ہے سوچ سمجھ کر لکھا ہے، جب وعظوں میں مولانا نے کوئی غلطی نہیں پائی تو غالب یہ ہے کہ کتابوں میں بھی غلطیاں شاذ و نادر ہی ہوں گی اور میں نے تو ترجیح الراجح کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے کہ جس کو جو غلطی میری تصانیف میں ملے اس سے مجھے مطلع کرے، تاکہ اگر مجھے اپنی غلطی کا اطمینان ہوجائے تو اس سے اعلان کے ساتھ رجوع کرلوں، چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر فراخ دلی سے اقرار کیا ہے، اور جہاں مجھے اپنی غلطی کا شرح صدر نہیں ہوا، وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کردیا ہے تاکہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کرلے، میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو بنایا نہیں اور یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی ہے، ویسے تو یہ خصلت اپنے سب اکابر میں تھی، ہمارے اکابر اپنی غلطیوں کے اقرار سے کبھی نہیں شرمائے۔[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ ۹/۴۰۸ قسط:۲، ملفوظ:۲۳۱

باب۳

تصحیح الاغلاط وترجیح الراجح کا سلسلہ

اپنی غلطی واضح ہوجانے کے بعداس سے رجوع کرنااوراس کااعلان کرنا

مجھ کواپنے فہم یاتحقیق پر وثوق تو کبھی نہیں ہوا،مگراس کے ساتھ ہی اپنے ساتھ اتنی بدگمانی بھی نہ تھی کہ ازخوداپنی زلات (لغزشوں) واغلاط کی تفتیش کا اہتمام کرتا، البتہ اگرکبھی اتفاقاً ہی کسی نے غلطی کی اطلاع دی تو بحمداللہ فوراًرجوع کرلیا،اورکسی نہ کسی موقع پراس کوشائع کردیاچنانچہ میری تحریرات سے یہ بات ظاہر ہے۔

خصوصاً امدادالفتاوی کے بعض حصص کے اخیر میں ایک طویل فہرست اس کی بھی ملحق ہے پھر جب ان تنبیہات کی مقدارمعتد بہ ہوگئی تومصلحت معلوم ہوئی کہ اس کاایک مستقل سلسلہ جاری رکھا جائے،چنانچہ ترجیح الراجح کی یہی حقیقت ہے۔

حضرت والا کی اعظم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اپنی تصانیف کے تسامحات کو جن کاعلم خودیاکسی دوسرے کے ذریعہ ہوتا رہتاہےان سے رجوع فرماتے رہتے ہیں اوراس رجوع کوشائع بھی فرماتے رہتے ہیں اوراس سلسلہ کاایک خاص لقب ''ترجیح الراجح'' بھی تجویز کیاگیاہے جومستقل طور پر جاری ہےاس سلسلہ میں جہاں حضرت والاکواپنے تسامح پرشرح صدر ہوجاتا ہے،وہاں رجوع فرمالیتے ہیں اور جہاں تر ددرہتا ہے وہاں جواب لکھ کر یہ تحریرفرمادیتے ہیں کہ دیگرعلماء سے بھی تحقیق کرلی جائے،اس سلسلہ کے متعلق ایک مولوی صاحب سے حضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ کا یہ قول احقر نے سنا ہے کہ ''ترجیح الراجح'' اس زمانے میں بالکل ایک نرالی چیز ہے،یہ سلف صالحین کامعمول تھا مولانا تھانوی کی امتیازی شان اورکمال صدق واخلاص کے ظاہر کرنے کے لیےبس یہی کافی ہے۔[1]

---

[1] اشرف السوانح ۳/۱۳۳

غایت احتیاط اور دوسرے علماء سے نظر ثانی کروانا

پھر خیال ہوا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر لغزش پر کوئی نہ کوئی تنبیہ بھی کر دیا کرے تو اس صورت میں بہت سے زلات (لغزشیں) اصلاح سے رہ جائیں گے اس لیے اس کا یہ اہتمام کیا گیا کہ اہل علم میں سے ایسے متدین ومعتمد علماء حضرات کو جو نہ میری رعایت کریں اور نہ خواہ مخواہ کا عناد کریں۔اپنی تمام مؤلفات پر نظر ثانی کرنے کے لیے منتخب کر کے ان کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ ایسے مواقع میں پوری تحقیق اور آزادی سے کام لے کر ایسے زلات کی تصحیح فرمادیں، چنانچہ نہایت خوبی سے یہ کام ہو رہا ہے۔

میری وصیت ہے کہ اگر میرے سامنے یہ کام مکمل نہ ہو تو میرے بعد بھی اس کو جاری رکھیں۔[1]

کتابوں میں واقع شدہ لغزشوں سے متعلق دو قاعدے

تالیفات کے بعض مقامات میں مجھ سے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں جو اس وقت ذہن میں حاضر نہیں ان کے لیے دو قاعدے عرض کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ میری کسی ایسی تصنیف میں جو محل لغزش سے متاخر (مؤخر) ہو اس کی اصلاح کر دی گئی ہو، اور متاخر (مؤخر) ہونا تاریخ کے ملانے سے جو کہ ہر تصنیف کے آخر میں التزاماً لکھی گئی ہے معلوم ہو سکتا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ میری تالیفات میں جو مضمون متعارض ہو اس میں اخیر کا قول میرا سمجھا جائے گا۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مواقع مشتبہ کو دوسرے علماء محققین سے تحقیق کر لی جائے اور ان کے قول کو میرے قول پر ترجیح دی جائے، اسی طرح اگر میرا لکھا ہوا کوئی مشتبہ فتوی کسی کی نظر سے گذرے اس میں بھی یہی تقریر معروض ہے کیونکہ بعض

---

[1] اشرف السوانح ۳/۱۳۴

اوقات لکھنے کے بعد خود مجھ کو بعض جوابوں کا غلط ہونا محقق ہوا ہے، میں نے سائل کا پتہ معلوم ہونے پر اس کو مطلع بھی کر دیا ہے لیکن پتہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں غلطی میں پڑنے کا احتمال ہوسکتا ہے اس لئے احتیاطاً یہ عرض کیا گیا۔[1]

رجوع واعتراف اور تصحیح الاغلاط وترجیح الراجح کے چند نمونے

(۱) (حضرت تھانویؒ ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں) ایک مسئلہ اور ہے اس میں مجھ سے غلطی ہوچکی ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ سامع کو (یعنی امام کے پیچھے حافظ مقتدی جو لقمہ دینے کی غرض سے متعین ہو اس کو) روپیہ لینا (بطور اجرت کے) جائز ہے، میں اس کو تعلیم پر قیاس کرتا تھا، (چنانچہ میں نے فتویٰ دیا تھا کہ)

''سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا بتلائے گا پس یہ تعلیم ہوئی اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے''۔[2]

لیکن پھر سمجھ میں آیا کہ یہ قیاس صحیح نہیں اس لئے کہ (بحالت صلوٰۃ) تعلیم سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور سامع کے بتلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور نیز بھولے ہوئے کو بتلانا نماز کی اصلاح ہے اور اصلاحِ نماز عبادت ہے اس لئے نہ قاری کو (یعنی امام صاحب کو اجرت لینا) جائز ہے نہ سامع کو، یہ دونوں فتوے قواعد کلیہ سے دیئے گئے ہیں، اگر اس کے خلاف کسی کو جزئیہ معلوم ہو تو میں اس سے بھی رجوع کرلوں گا۔[3]

(۲) بندہ اب تک یہ فتویٰ دیتا تھا کہ دسویں محرم کا ایک روزہ رکھنا بلا کراہت درست ہے، مگر درمختار وغیرہ میں اس کے خلاف جزئیہ نکلا لہٰذا میں اس سے رجوع کر کے اب اس جزئیہ کے موافق فتویٰ دیتا ہوں کہ:

''دسویں تاریخ محرم کو اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے، اس کے ساتھ نویں کا بھی

---

[1] اشرف السوانح ص: ۱۱۲ [2] امداد الفتاویٰ ۱/۴۹۶ [3] التہذیب ملحقہ حقوق وفرائض ص ۴/۲۱۵

روزہ رکھنے سے کراہت دور ہوگی، اسی طرح اگر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی رکھ لے تب بھی کراہت نہ رہے گی، مگر اول صورت اولیٰ ہے، یعنی نویں دسویں کا'' [1]

(۳) (شب برأت کے موقع پر ایصال ثواب کے تعلق سے حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ اس موقع پر) ''اگر کچھ صدقہ خیرات یا کھانا وغیرہ بھی پکا کر بخش دیا جائے کوئی مضائقہ نہیں'' (اس کے بعد یہ رجوع تحریر فرمایا)

تنبیہ: مضمون بالا میں بعض علماء نے کلام فرمایا ہے اور محاکمہ کے بعد احقر نے اس سے رجوع کرلیا ہے پس اس پر وقت کی تخصیص کے ساتھ عمل نہ کیا جائے۔ [2]

احقر کے دعوے کا دوسرا جزیہ تھا کہ (قبرستان جا کر مردوں کے لئے) دعاء کرنا تو حدیث سے ثابت ہے اور اس دعاء پر ایصال ثواب کے دوسرے طریقوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے، اپنے (اس دوسرے) دعوے سے رجوع کرتا ہوں۔ [3]

(۴) تمثال نعل شریف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا ''**نیل الشفا بنعل المصطفی**'' اس کی وجہ سے بعض لوگ غلو کا شکار ہونے لگے، بعض اہل علم نے اس کی طرف توجہ دلائی، اس سلسلہ کی پوری مکاتبت امداد الفتاویٰ میں موجود ہے، جس میں اخیر میں یہ تحریر موجود ہے:

''میں اعلان کرتا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جائے اور میری تحریر کو مرجوع بلکہ مجروح وممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ سمجھا جاوے''

۔۔۔**بحکم دع مایریبک الیٰ مالا یریبک الحدیث** اپنے رسالہ ''**نیل الشفا بنعل المصطفی**'' سے رجوع کرتا ہوں اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہوگیا ہو تو اس سے استغفار کرتا ہوں۔

(نوٹ) اگر ممکن ہو کم از کم اس مضمون کو مکملاً یا ملخصاً جلد ہی شائع فرمادیں، پھر خواہ مستقلاً وہو اولیٰ، یا اخبار میں۔ (اشرف علی) [4]

---

[1] امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۲۰ [2] زوال السنہ عن اعمال السنہ ص ۱۷ [3] امداد الفتاویٰ ۴/ ۱۲۸ [4] امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۷۸، ۳۷۶

اگر کوئی کتاب کا رد لکھے

فرمایا: جب کوئی شخص میری کتاب کا رد لکھتا ہے تو جب وہ (رد) میرے پاس آتا ہے تو اول نظر میں خیال یہی ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے اس کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے تا کہ اس سے رجوع کر کے تصحیح کروں، اس کا جواب دینے کی نیت سے نہیں دیکھتا۔[1]

حضرت گنگوہی کا حال

سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے جب ردِ بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت کی طرف سے سبّ وشتم کی بوچھار شروع ہوئی بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سبّ وشتم سے بھرے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے تھے حضرت گنگوہی کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی، مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی حضرت کے خادم خاص اور معتمد تھے آنے والی ڈاک کو پڑھ کر سناتے تھے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت انہیں کے ذمہ تھی، ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔

کچھ دن ایسے گذرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے کوئی رسالہ نہیں سنایا تو حضرت گنگوہی نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ صاحب کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا، عرض کیا پڑھے نہیں جاتے، حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا ان میں تو گالیاں بھری ہیں آپ نے پہلے تو فرمایا ارے میاں کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ وہ ضرور سناؤ، ہم تو اس نیت سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابل قبول ہو تو قبول کریں اگر ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں۔[2]

[1] مجالس حکیم الامت ص: ۱۶۸ [2] مجالس حکیم الامت ص: ۴۲

تصانیف پر اعتراضات کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہوں

فرمایا: آئے دن عنایت فرما میری تصانیف پر اعتراض کرتے رہتے ہیں جس کو میں اپنے لئے رحمت سمجھتا ہوں اس لئے کہ میں جو کام ہزاروں روپۓ صرف کر کے بھی نہ کرسکتا تھا یعنی تالیفات کی تنقیح وہ عنایت فرماؤں کی بدولت مفت ہورہا ہے، ان اعتراضات میں جو بات قابل قبول ہوتی ہے اس کو میں قبول کرلیتا ہوں اور'' ترجیح الراجح''، میں اس کی اشاعت کردیتا ہوں، خدانخواستہ کوئی ضد تھوڑی ہی ہے، اگر کوئی نیک مشورہ خیر خواہی سے دے مجھے کوئی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کی دل میں اور وقعت اور عظمت ہوتی ہے کہ اس کو دین کی فکر ہے، خیال ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ تہذیب سے خطاب کرے گو بدتہذیبی سے بھی خطاب کرنے میں نیک بات کو تو قبول کرلوں گا لیکن اس کی بدتمیزی اور بدتہذیبی پر ناگواری ضرور ہوگی، اور یہ تو دین کی خدمت ہے، سب مسلمانوں کا فرض ہے اس کی خدمت کرنا، مگر آج کل تو اکثر منشا اعتراض کا محض بغض وعداوت اور حسد ہوتا ہے،

فرمایا: کہ فلاں خانصاحب (یعنی مولوی احمد رضا خانصاحب) نے ہمیشہ مجھ کو گالیاں دیں مگر کبھی قلب میں وسوسہ بھی انتقام کا نہیں آیا، اگر ہمارے مخالف کے ساتھ کوئی ردوقدح کرے ہمیں کوئی مسرت نہیں، ہمارے بزرگوں کا یہی مسلک تھا یہی مشرب تھا، مسرت اس سے ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگے۔[1]

فرمایا: میں معترضین کو اور اعتراضات کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہوں، ہزاروں روپیہ صرف کرنے پر بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی جو یہ لوگ مفت میں کرتے ہیں، گو ان کی نیت اچھی نہ ہو مگر مجھ کو تو اپنی زلّات (لغزشوں) سے آگاہی ہوجاتی ہے اور اس مضمون کی تصحیح ہوجاتی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ مخالفین سے وہ کام لے رہے ہیں جو بعض اوقات اپنے بھی نہیں کرسکتے۔[2]

[1] ملفوظات حکیم الامت ص ۳۳۲ ج ۴ قسط ۴ ملفوظ نمبر ۷۹۶، ۹۹۷ [2] ملفوظات حکیم الامت ص ۳۲۵ ج ۳ قسط ۳

فرمایا: بعض مہربانوں کی طرف سے جو برا بھلا کہنے اور سبّ وشتم اور لعن طعن کی بوچھار نظر آتی ہے یہ سب حق بات کے اظہار کی بدولت ہو رہی ہے۔

(ان اعتراضات کو) لوگ تو دشمنی پر محمول کرتے ہیں اور میں خدا کی ایک بڑی زبردست رحمت اور نعمت پر محمول کرتا ہوں، اگر میں ہزاروں روپیہ صرف کرتا اور اپنی تصنیفات پر اصلاحی نظر کراتا تب بھی اس قدر کامیابی ہونا مشکل تھا، جس قدر اب مخالفین کی بدولت کام ہو رہا ہے یہ سب خدا کا فضل اور رحمت ہے جس کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا۔[1]

عالمگیرؒ کا سبق آموز واقعہ

عالمگیرؒ کا قصہ ہے کہ یہ قرآن لکھتے تھے اور اس کی اجرت سے گذر اوقات کرتے تھے، بیت المال سے نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ قرآن لکھ رہے تھے ایک شخص نے کہا کہ یہاں غلطی ہے، حالانکہ غلطی نہ تھی بلکہ عالمگیر نے جو کچھ لکھا تھا وہی صحیح تھا، مگر اس کے کہنے سے اسی کے موافق بنا دیا جب وہ شخص چلا گیا تو انہوں نے وہ ورق بدل دیا، ایک شخص نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا اتنی مشقت کیوں اٹھائی؟ اس پر عالمگیرؒ نے کہا کہ میں نے یہ خیال کیا کہ اگر اس کا کہنا نہ مانوں گا تو اس کا دل بجھ جائے گا، آئندہ اگر واقعی غلطی بھی ہوگی تو اس پر بھی متنبہ نہ کرے گا اس لئے میں نے اس کے کہنے کو مان لیا۔[2]

تصانیف پر اعتراضات بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا: کہ اعتراض کر دینا کیا مشکل ہے، مشکل تو کام کرنا ہے، یا کام کی بات کہنا، یا اس کا سمجھنا، میری تصانیف پر رات دن عنایت فرما اعتراضات کرتے رہتے ہیں، چنانچہ حفظ الایمان کی عبارت پر اعتراض ہے، حالانکہ اس کی عبارت بالکل صاف اور اس کا مفہوم بالکل بے غبار ہے

[1] ملفوظات حکیم الامت ص۳۶ ج۴ قسط۱ [2] حسن العزیز ص۲۲۱ ج۳

لیکن عناد اور بغض وحسد کا کسی کے پاس کیا علاج؟

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تقویۃ الایمان کی عبارت پر اعتراض کرتے ہیں وہ عبارت یہ ہے کہ: ''اگر خدا چاہے تو محمد جیسے سیکڑوں بنا ڈالے'' یہ ایک بڑا اعتراض ہے جس پر مخالفین کو ناز ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں، حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری محدثؒ نے ایک مولوی صاحب کو اس عبارت پر اعتراض کرنے کے وقت جو جواب دیا تھا عجیب وغریب ہے اور بزرگوں کے جواب ہوتے ہی ہیں عجیب، مناظرین کا ذہن وہاں تک نہیں پہونچتا، ان مولوی صاحب نے یہ اعتراض کیا تھا کہ حضرت شہید صاحبؒ نے ''تقویۃ الایمان'' میں اس عنوان سے ایک عبارت لکھی ہے کہ ''اگر خدا چاہے تو محمد جیسے سیکڑوں بنا ڈالے'' اور محاورہ میں یہ صیغہ ''بنا ڈالے'' تحقیر کا ہے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر ہے اور یہ کفر ہے، حضرت مولانا نے جواب فرمایا کہ تحقیر تو ہے مگر فعل کی تحقیر ہے مفعول کی نہیں، بنانے کی تحقیر ہے یعنی بنانا سہل ہے، عظیم اور ثقیل نہیں، کہنے لگے کہ حضرت یہ تو تاویل ہے، فرمایا بہت اچھا اگر تاویل ہے جانے دیجئے، یہ حضرات عجیب شان کے تھے کسی بات کے پیچھے نہ پڑتے تھے، بڑے ظرف کے لوگ تھے، کسی بات کے درپے نہ ہوتے تھے، اتفاق سے دو تین ہی روز کے بعد یہی مولوی صاحب مولانا سے عرض کرنے لگے کہ حضرت مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف تو آپ کے یہاں چھپ چکیں، اب بیضاوی شریف بھی چھاپ ڈالئے، مولانا نے فوراً فرمایا کہ مولوی صاحب یہ وہی ڈالنا ہے جس سے تحقیر ہوتی ہے آپ نے بیضاوی کی تحقیر کی جو مشتمل ہے قرآن پر اور کل کی تحقیر جزو کی تحقیر ہے اور قرآن کی تحقیر کفر ہے، اب بتلایئے وہی کفر کا فتویٰ آپ پر ہوتا ہے یا نہیں؟ اس وقت مولوی صاحب کی آنکھیں کھلیں اور عرض کیا کہ حضرت واقعی اس کا مطلب اور مفہوم تو خود میرے ذہن میں وہی تھا کہ آپ کے پاس سامان موجود ہے، آپ کو چھاپ دینا آسان ہے، فعل ہی کی تحقیر تھی

مفعول کی نہ تھی ، دیکھئے حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ ایک بہت بڑا اعتراض تھا، جس کی حقیقت مولانا کے جواب سے واضح ہوگئی ،غرض اعتراض کردینا بدون سوچے سمجھے بدون غور کئے ہوئے کوئی مشکل چیز نہیں ،خصوصاً بدعقل، بدفہم، بددین کے نزدیک تو بہت ہی آسان اور سہل چیز ہے کیونکہ اس کو کوئی چیز مانع نہیں ،اگر کچھ مشکل ہے تو اہل حق ،اہل عقل، اہل فہم اور اہل دین ہی کو ہے کیونکہ ان کو آخرت کی فکر ہے اس لئے وہ حدود سے گذر کر نہ کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں ۔[1]

زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں شائع کرا کر تقسیم کرنے کا اہتمام

بعض کتب مشترک رقم سے طبع ہوئی ہیں جن میں سے اکثر نے تو حضرت اقدس کو اختیار کلی دے دیا ہے کہ جہاں چاہیں تقسیم فرمادیں اور بعض نے زکوٰۃ میں دینے کے لئے عرض کردیا ہے،اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوا کہ کس قیمت پر زکوٰۃ میں دی جائیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کوئی نفع اٹھانا تھوڑا ہی مقصود ہے،ایک مفید کتاب کو زکوٰۃ کے روپے سے شائع کرادینا مقصود ہے اور چونکہ اس وقت اور شرکاء نے مفت تقسیم کرنے کے لئے میرے پاس یہی کتابیں رکھوادی ہیں جو بلا قیمت شائقین کو پہنچ جائیں گی، اس لئے جو قیمت اس کتاب کی تجویز کی گئی ہے اس قیمت پر سہولت سے بکنا مشکل ہے ،لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں صرف لاگت پر یہ کتابیں دی جائیں تا کہ ہر صورت میں قریب قریب یقیناً پوری زکوٰۃ ادا ہوجائے ، کیوں کہ اس صورت میں یہ احتمال ہی نہ رہے گا کہ اس قیمت پر سہولت سے نہ بک سکیں گی ،جن صاحب کے اہتمام سے یہ کتابیں طبع ہوئی ہیں ان سے فرمایا کہ اس کا مشورہ ان صاحبوں کو دے دیا جائے ۔[2]

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ج ۴ قسط اص ۸ ملفوظ نمبر ۴، ۲۸ ؍جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱

[2] ملفوظات حکیم الامت ص ۲۳۵ ج ۵ قسط ۳ ملفوظ نمبر ۱۹۶ ۱۷شوال ۱۳۵۹ھ

طلبہ کو کتابیں تقسیم کرنے کے سلسلہ میں عمدہ انتظام

کتاب ''القول المنصور '' کے ڈھائی سو نسخے مدرسہ دیوبند میں طلبہ کو تقسیم کرنے کے لئے ارسال فرمائے تھے، گو خاص خاص شرائط تجویز فرمادی گئی تھیں تاکہ کم استعداد یا ناقدر کے پاس نہ پہنچ جائیں، لیکن پھر بھی کتابوں کی تعداد سے دونی تعداد میں طلباء کی درخواستیں مہتمم صاحب کے پاس پہنچ گئیں، اتفاق سے مہتمم صاحب ایک سفر کے سلسلہ میں خود حاضر خدمت ہوگئے حضرت اقدس نے ان سے پوچھا کہ کس معیار پر درخواست کنندگان میں سے انتخاب کیا جائے گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اور مفتی محمد شفیع صاحب ایک ایک کو بلا کر دیکھیں گے اور کچھ سوالات بھی کریں گے، جو قرائن سے اور گفتگو سے اس کتاب کے لائق معلوم ہوگا اس کو ہی دے دیں گے، فرمایا کہ اس میں علاوہ تطویل کے شکایت پیدا ہونے کا غالب احتمال ہے جیسا کہ یہاں مجھے تجربہ ہو چکا ہے، کیونکہ یہاں بھی بعض موقعوں پر کپڑے وغیرہ تقسیم کرنے کے لئے آجاتے ہیں، جن کے سپرد تقسیم کا کام کیا گیا، بعض نے ان کی شکایت کی کہ یہ خائن ہیں، طرفدار ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اب میں یہ کرتا ہوں کہ حصے لگا کر رکھ دیئے اور اس ڈھیر کے پاس ایک ایسے بچے کو جو زیادہ سمجھدار نہ ہو بلا کر سب مستحقین کے نام پرچوں پر لکھ کر اس کو دے دیتا ہوں کہ ان میں سے کیفما اتفق ایک ایک پرچہ نکال کر ہر حصہ پر رکھ دو، اب کسی کو کوئی شکایت نہیں، ہر شخص سمجھتا ہے کہ جو چیز جس کے حصہ میں آگئی اپنی اپنی قسمت ہے، بس آپ بھی اسی طرح قرعہ اندازی کر لیجئے، اس تجویز کو مہتمم صاحب نے بہت پسند فرمایا۔

اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ حدیث میں جو قرعہ ڈالنا آیا ہے وہ ایسے ہی موقعوں پر آیا ہے اور حنفیہ نے جو قرعہ اندازی کی ممانعت کی ہے وہ ان مواقع پر کی ہے جہاں قرعہ سے قمار لازم آتا ہو، وہ مطلق قرعہ اندازی کے منکر نہیں جو ان پر حدیث کی

مخالفت کا الزام آئے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ کتابیں بانٹنے کی ایک اور صورت بھی ہے لیکن وہ بکھیڑے کی ہے، وہ یہ کہ دو دو طلبہ کے درمیان ایک ایک کتاب دی جائے لیکن اس طرح بانٹنے میں بکھیڑا تھا، کیونکہ افتراق کے وقت مشکل پڑے گی، اس لئے میں نے قرعہ ہی کو تجویز کیا۔[1]

ترغیب کے واسطے خاص رعایت پر کتاب دینے کا اعلان

فرمایا: سیرت نبویہ میں میرا رسالہ ''نشر الطیب''، مفصل ہے اگر اتنی فرصت نہ ہو تو ''حیٰوۃ المسلمین'' کا مطالعہ کرلیا جائے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا خلاصہ ہے، اس لئے جوش محبت میں یہ اعلان بھی کردیا ہے کہ ختم ماہ ربیع الاول تک جس کی فرمائش آئے گی اس سے محصول ڈاک بھی نہ لیا جائے۔[2]

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ص ۲۷۴ ج ۴ قسط ۳ ملفوظ نمبر ۲۴۶ [2] الغالب للطالب ملحقہ نظام شریعت ص ۳۵۰

باب۴

کتابوں پر تقریظ لکھنے کا بیان

تقریظ کی حقیقت شہادت ہے

فرمایا: تقریظ کی حقیقت شہادت ہے اور مشاہدہ کے بغیر شہادت شرعاً جائز نہیں، یہ تو بڑا ظلم ہے کہ کسی خاص مقام کو دیکھ کر کل کتاب کی تقریظ لکھ دیتے ہیں، میں تو یہ کرتا ہوں کہ ان مقامات کی تعیین لکھ دیتا ہوں کہ فلاں مقام سے فلاں مقام تک دیکھا، ایسا پایا اور رعایت میں اتنا اور لکھ دیتا ہوں کہ امید ہے کہ اور مقامات بھی ایسے ہی ہوں گے، پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا، نہ اعتراض کرسکتا ہے کہ آپ نے اس پر تقریظ لکھی ہے اور اس میں فلاں مضمون مخدوش ہے، کیونکہ ہم نے اپنے دیکھے ہوئے پر تقریظ لکھی ہے، اس کے بعد اگر کوئی اعتراض کرے تو جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ بقیہ مقامات کی نسبت امید کا لفظ تھا مگر امید غلط نکلی، ان احتیاطوں کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہاں کا نام رکھا ہے نرالا، چنانچہ کہتے ہیں کہ بھائی وہاں کا تو دربار ہی نرالا ہے۔[1]

تقریظ لکھوانے کی بابت حضرت تھانویؒ کا خیال

فرمایا: میں نے کتابوں پر تقریظ لکھوانے کو ایک زائد چیز سمجھا بلکہ نفرت رہی، چنانچہ میری کسی کتاب پر تقریظ نہیں، اور یہ اس لیے کہ اگر نافع ہے تو لوگ بلا تقریظ بھی دیکھیں گے، اور اگر نافع نہیں تو تقریظ کے بعد بھی نہ دیکھیں گے، تقریظ کا مضمون کتاب پر کوئی اثر نہیں ڈالتا بلکہ ایک زائد سی چیز معلوم ہوتی ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔[2]

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ص:۵۰۴ ج۱ قسط:۵، ملفوظ:۱۰۲۰ [2] ملفوظات حکیم الامت ۲/۴۲۱ قسط:۴

تقریظ اس معنی میں بھی تو ایک شہادت ہے کہ مذکورہ کتاب شروع سے آخر تک درست وصحیح ہے اگر ساری کتاب نہ دیکھ پائے اور تقریظ لکھ دے تو اس کی تقریظ جو درحقیقت شہادت ہے، جھوٹی ہوگئی، مجھ سے کوئی تقریظ کے لیے کہتا ہے تو کہہ دیتا ہوں کہ آپ صفحات متعین کردیں تو میں ان کو دیکھ کر صرف ان کے متعلق لکھ دوں گا۔[1]

تقریظ لکھنے کی بابت حضرت تھانوی کا معمول

اور بعض اہل علم کی زبردست غلطی

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کو تقریظات لکھنے میں بڑی کلفت ہوتی ہوگی، فرمایا کہ میں کلفت کا کام نہیں کرتا، ایسی درخواست پر لکھ دیتا ہوں کہ میں تمام کتاب تو دیکھ نہیں سکتا، نہ میرے پاس اتنا وقت ہے اگر کہو تو کوئی خاص مقام کتاب میں دیکھ کر صرف اسی مقام کے متعلق تقریظ لکھ دوں، اس پر اگر وہ کہتے ہیں لکھ دو، تو اسی طرح لکھ دیتا ہوں باقی کہیں کہیں سے دیکھ کر پوری کتاب کے متعلق تقریظ لکھنے کو میں جائز نہیں سمجھتا بلکہ خیانت سمجھتا ہوں۔

مگر آج کل اہل علم اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے، دھڑا دھڑ تقریظات لکھتے چلے جاتے ہیں، اور بعض مرتبہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ تقریظ کے لکھنے میں ایک کتاب مفت میں ہاتھ آجاتی ہے، کیونکہ آج کل مصنفین کا معمول ہے کہ وہ تقریظ لکھوانے کی غرض سے کتاب ساتھ بھیج دیتے ہیں اور مالک بنادیتے ہیں، اور ایسا صرف تقریظ لکھانے کی وجہ سے کرتے ہیں، لیکن میں وہمی ہوں، مجھ پر وہم کا فتوی ہے، لوگوں نے فہم کا نام وہم رکھا ہے، لیکن میرا وہم بالکل مصلحت کے موافق ہوتا ہے

---

[1] ماخوذ از اشرف المقالات، مقالہ۲، جلد۱، ص:۱۳۴، مضمون مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

اس لیے میرا معمول اس کے متعلق یہ ہے کہ میں کتاب تو واپس کر دیتا ہوں اس کے بعد تقریظ کے متعلق رائے قائم کرتا ہوں، اس لیے کہ آزادی سے جو کچھ لکھنا ہوتا ہے لکھ دیتا ہوں، مجھ کو شبہ یہ ہوجاتا ہے کہ ممکن ہے کہ میری تقریظ ناپسند رہے پھر پچھتائیں کہ ایک کتاب مفت میں بے کار رہی گئی، کیا اس کو وہم کہیں گے؟ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ذہن کو حقیقت تک پہنچادیں، اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص تقریظ نہ لکھے گا یا لکھے گا مگر خلاف لکھے گا تو کوئی بھی کتاب نہ دے۔[1]

کتابوں کی تقریظ لکھنا

آج کل یہ بھی پیسے کمانے کی ایک ترکیب ہے کہ علماء کے پاس ایسی کتابیں بھیجی جاتی ہیں اور ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ان میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے، اصلاح تو جیسی مقصود ہوتی ہے معلوم ہے، اصلی غرض یہ ہے کہ ان پر تقریظ لکھ دی جائے تاکہ زیادہ اشاعت ہوسکے، چنانچہ بعض بااخلاق علماء تقریظ لکھ بھی دیتے ہیں۔

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے ان کو اس بیہودہ تعلیم کی تائید مل جاتی ہے، مجھ سے کوئی پوچھے تو ان کتابوں کی اصلاح یہ ہے کہ ان سب کتابوں کو جمع کر کے ایک دم جلا دیا جائے کیونکہ ہر چیز میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور ایسی کتابوں میں غالب شر ہی ہے اور شر کا علاج یہی ہے کہ سب کو جلا دو۔[2]

تقریظ لکھنے کی بابت حضرت تھانویؒ کا معمول

حضرت والا کسی کتاب پر تقریظ محض اجمالی مطالعہ پر نہیں تحریر فرماتے کیونکہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اگر تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ہوتی تو کسی ایک مقام کی تعیین کرا لیتے ہیں اور اسی کے متعلق تقریظ تحریر فرما دیتے ہیں اور اس صورت میں

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ۴/۵۲۹ قسط: ۵، ملفوظ: ۱۰۳۸ [2] التبلیغ ۷/۶۹

جس پر اطمینان ہوتا ہے اس مقام کی تقریظ میں یہ اضافہ بھی تحریر فرمادیتے ہیں کہ امید ہے کہ بقیہ کتاب بھی ایسی ہی ہوگی۔

اور تجربہ کے قبل احیاناً اس معمول کے خلاف بھی ہوگیا ہے مگر بعد میں اس کتاب کی غلطیوں پر مطلع ہونے پر بہت افسوس ہوا، اور اپنی تقریظ سے رجوع کا اعلان شائع فرمادیا۔[1]

تقریظ لکھنے میں غایت درجہ احتیاط

فرمایا: بریلوی خان صاحب کے ایک شاگرد نے ایک کتاب تقریظ کے لیے بھیجی تھی، میں نے لکھ دیا کہ مفصل دیکھنے کی فرصت نہیں، اور مجمل مطالعہ تقریظ کے لیے کافی نہیں کیونکہ تقریظ شہادت ہے، اس لیے اس میں واقعہ کی پوری کیفیت معلوم ہونا شرط ہے، اس کے جواب میں آج ان کا دوسرا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ عام رواج علماء کا یہی ہے کہ ایک آدھ مقام دیکھ کر لکھ دیتے ہیں، اب غور کیجئے کہ جب یہ شہادت ہے تو پورا دیکھے بغیر کیسے شہادت دوں۔

بعض لوگ خود جیسے بد احتیاط اور رسم ورواج کے پابند ہیں دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں اور پھر کتاب بھی دوسری جلد بھیجی جو فقہیات میں ہے، جس میں بدعت وسنت کا کوئی اختلاف نہیں، پہلی جلد نہیں بھیجی جو معلوم ہوا کہ عقائد میں ہے اور اس میں عقائد بدعتیہ کی تائید کی ہے، اس کو بھیجتے تب تقریظ لکھتا، اس میں سوائے مزخرفات (خرافات) کے اور کیا ہوگا اس کا تو ایک ادنی سا جزء دیکھ کر بھی رائے لکھی جاسکتی تھی اس وجہ سے نہیں بھیجی۔

دوسرے ان بزرگ کو ایسی فرمائش کرتے ہوئے شرم نہ آئی کہ ساری عمر تو گالیاں دیں اب تقریظ لکھوانے بیٹھے ہیں جس کا ایک سبب ہے وہ یہ کہ مصنف نے

---

[1] اشرف السوانح ص:٦

اس کتاب کو حیدرآباد کے ایک بڑے عہدیدار کے نام سے مُعَنوَن کیا ہے اور ان کو معلوم ہوگیا کہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں تو میری تقریظ سے یہ نفع حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ان کے بہت سے نسخے خرید لیں گے، اگر میں تقریظ لکھ دیتا ہوں تو یہ کون دیکھتا کہ تقریظ کس جلد پر ہے، یہی مشہور کیا جاتا کہ کتاب پر تقریظ ہے، تو اس میں ان عقائد کی بھی تصویب (تائید) ہوتی، باقی جو یہ لکھا ہے کہ کچھ کتاب دیکھ کر تقریظ لکھ دی جاتی ہے تو جن پر اعتماد ہوتا ہے ان کی ہر بات پر اعتماد ہوتا ہے، اس اعتماد پر لکھ دی جاتی ہے گو مجھ کو تو یہ پسند نہیں ۔[1]

ایک تصنیف پر تقریظ کی درخواست پر حضرت تھانویؒ کی حق گوئی وصاف گوئی

بعد الحمد والصلوٰۃ ایک کتاب تفصیل البیان فی مقاصد القرآن کی (جس میں مضامین مختلفہ کے اعتبار سے قرآن مجید کی تبویب کی ہے) ناتمام جلدیں اظہار رائے بصورت تقریظ کی غرض سے آئیں اس پر میں نے بھی کچھ لکھا اور میرے ایک دوست نے بھی لکھا اور مصنف صاحب کے پاس بھیج دیا، مفید ہونے کی وجہ سے اس مجموعہ کی مع خط مصنف صاحب، نقل بھی رکھ لی اور اس کا ایک لقب بھی رکھ دیا یعنی **الهادی للحیران فی وادی تفصیل البیان** آگے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ اشرف علی ۲۱ رجب ۱۳۵۰ھ

مصنف صاحب کا خط

مکرمی معظمی جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس عریضہ کے ساتھ ایک جلد ''تفصیل البیان فی مقاصد القرآن'' ہر چہار حصہ

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ۳/ ۳۲۳-۳۲۴ قسط: ۳

خدمت والا میں ارسال کر رہا ہوں قرآن کریم کی کوئی آیات مطلوبہ نکالنے کے لئے عربی میں متعدد کتابیں موجود ہیں لیکن جہاں تک مجھے علم ہے کلام الٰہی کے مطالب ومعانی کے اعتبار سے کوئی ایسی جامع کتاب اب تک تیار نہیں کی گئی جس سے علماء وواعظین وعام قارئین کو بلا دقت ہر مسئلہ کے متعلق قرآن کریم کی جملہ آیات ایک جگہ مل جائیں اور ورق گردانی اور دیدہ ریزی کی ضرورت نہ رہے، مدت گذری مجھے اس قسم کی خدمت کا خیال پیدا ہوا، مگر کام کی عظمت اور محنت طلبی بار بار ہمت توڑ دیتی تھی آخر اللہ کا نام لے کر میں نے اس کام کو جس کی تکمیل کسی تنہا انسان سے بے حد دشوار تھی **السعی منی و الاتمام من الله** کے بھروسہ پر شروع کر دیا خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنے کلام مقدس کی خدمت کی توفیق دی اس کہن سالی اور ضعیفی کے عالم میں اپنے فضل سے مجھے جوانوں کی سی ہمت عطا فرمائی اور میں نے اسے بساط اور قابلیت کے مطابق اس کام کو انجام تک پہنچا دیا **فالحمدلله علی ذالک۔**

آپ کتاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ استدلالات اور امر ونواہی، قصص وحکایات بصائر وعبر، غرض کلام الٰہی کے ہر پہلو کے متعلق آیات ایک ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں، اور مطالب کی فہرست میں حتی الوسع جامعیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میں یہ عرض کر دوں کہ جو کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کی جارہی ہے آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، دو جلدیں ابھی زیر طبع ہیں اور دو زیر تحریر ہیں اس لئے جو مطالب آپ کو ان طبع شدہ جلدوں میں نظر نہ آئیں ان کی مجھے اطلاع دیجئے، یقین رکھئے وہ انشاء اللہ بقیہ جلدوں میں فراہم کر دیئے جائیں گے اس مختصر عریضہ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب کی افادی حیثیت کو بیان کرنا مشکل بھی ہے اور غیر ضروری بھی، کتاب آپ کے سامنے ہے آپ جیسے ارباب علم وبصیرت خود ان کے حسن وقبح کا اندازہ فرما سکتے ہیں، اس عریضہ کے ارسال سے مدعا یہ ہے کہ آپ ازراہ عنایت جلد

سے جلد اپنی پہلی فرصت میں اس مخلصانہ دینی خدمت پر ایک تقریظ لکھ کر مجھ پر احسان فرمائیں، مجھے اس کتاب سے جلب منفعت کا خیال نہیں بلکہ صرف کلام الٰہی کی خدمت اور اپنی مغفرت کا خیال، اسکی ترتیب واشاعت کا محرک ہوا ہے ۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی رسید ہی میں مختصراً اپنی رائے بھیجیں گے، تا کہ مسلمانوں کو اسے خریدنے کی ترغیب ہو اور قرآن حکیم کے پڑھنے اور سمجھنے کا فرق عام ہو جائے۔

جواب: احقر از اشرف علی عفی عنہ بخدمت مکرمی محترمی دامت الطافہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ نامہ نامی وہدیہ گرامی بصورت ''تفصیل البیان'' باعث منت متضاعفہ ہوا، میں کئی وجہ سے خجل (شرمندہ) ہوں۔

اول اس لئے کہ جو خدمت میرے سپرد فرمائی گئی میں اس کا اہل نہیں اسی لئے اس زمانہ میں ہزاروں تصانیف جدیدہ شائع ہو رہی ہیں، میں نے کبھی ابتداءً کسی کے متعلق اظہار رائے کی جرأت نہیں کی لیکن بعد امر کے امتثال نہ کرنا اس سے زیادہ خجلت کا موجب تھا اس لئے اس خجلت کو گوارا کیا۔

دوسرے اس لئے کہ اس خدمت کی بجا آوری میں دیر ہوئی جس کا سبب علاوہ عدم اہلیت کے فرصت کا فقدان ہے جس کا تعلق مشاہدے سے ہے۔

تیسرے اس لئے (اور یہ سب خجلتوں سے اشد ہے) کہ وہ خدمت حسب مرضی عالی نہ کر سکا مگر میں دینی حیثیت سے اس میں معذور ہوں جو اس حیثیت سے ظاہر ہے، يَـاأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْعَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْـوَالِـدَيْـنِ وَالْاَ قْـرَبِيْـنَ اِنْ يَّـكُـنْ غَنِيًّا اَوْفَقِيْراً فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُوا الْهَوىٰ اَنْ تَعْدِلُوْا الآیہ (پ٦ مائدہ) یہ سب خجلتیں جمع ہو کر حافظ کا یہ شعر یاد دلاتی ہیں ۔

زدست کو نہ خود زیر بارم　　　　کہ از بالا بلنداں شرمسارم

اب ''المامور معذورٌ'' کی بناء پر دیباچہ اور فہرست مضامین اور خط کو پیش نظر رکھ کر اس خدمت کی تفصیل مجمل پیش کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ معافی چاہتا ہوں، دیباچہ میں

(۱) مقصود بالبقاء قومیت کو بتایا ہے۔

(۲) فقہ کو بیکار بتایا ہے۔

(۳) حدیث کو صرف قرآن کی تفسیر قرار دیا ہے، جس سے متبادر ہوتا ہے کہ اس سے مستقلاً احکام ثابت نہیں ہوتے۔

(۴) قرآن کا حاصل (یعنی مقصد) قومی انحطاط کے بواعث اور ترقی کے وسائل کی طرف توجہ دلانا، کہا ہے۔

(۵) اہل سیاست کو بلا کسی شرط اور قید کے مسائل سیاسیہ کو قرآن سے سمجھنے کی اجازت دی ہے اور اسی غرض سے قرآن مجید کی یہ تبویب کی گئی ہے۔

(۶) آگے کچھ کتابوں کے نام لکھے ہیں جن سے اپنی اس کتاب میں مدد لی ہے جس میں یہ اقرار ہے کہ ان کتابوں میں جو کام کیا گیا ہے وہ اور نوع کا ہے اور اس کتاب میں اور نوع کا، اتنا تو خود اقرار ہے باقی اس سے زیادہ تفصیلی فرق اس وقت معلوم ہوسکتا ہے جب ان کتابوں کو دیکھا جائے، اتنا اس وقت بھی کہا جاسکتا ہے کہ جن کی یہ کتابیں ہیں بعض تو ان میں قابل اقتداء ہی نہیں اور ''جواہر القرآن'' کی نسبت بعض دیکھنے والے ثقات سے سنا ہے کہ اس میں صرف حمد وثنا کی آیات بطور ورد کے جمع کی ہیں، نہ تمام قرآن کا استیعاب مقصود ہے نہ ترتیب ابواب، نہ اثبات احکام اور اگر کسی قابل اقتداء سے ایسا کرنا ثابت ہو تو اس زمانہ میں کسی مفسدہ کا احتمال نہ ہوگا بخلاف اس زمانہ کے جس میں بعضے یہاں تک خیال ظاہر کررہے ہیں کہ بجائے ترتیب حاضر کے ترتیب نزول پر قرآن کو مرتب کرنا چاہئے، سو اس تبویب میں ایسے خیالات کی تقویت ہے، اس لئے ایک کا قیاس دوسرے پر صحیح نہیں، بہرحال اس کتاب میں ان کتابوں کی اقتداء کا دعویٰ نہیں کیا

جاسکتا۔

(۷) آگے موضوعات کی فہرست میں حب الوطنی کی ترغیب اور سرمایہ داری کی مذمت کو مثال کے طور پر لیا ہے حالانکہ ان الفاظ کا جو اس وقت مفہوم ہے قرآن مجید کو اس سے مس بھی نہیں تو غیر مدلول قرآنی کو اس کا مدلول بنانا ایک نوع کی تحریف ہے۔

(۸) آگے عوام کے نفع کے لئے ترجمہ کرنے کو مناسب بتلایا گیا اور نفع وہی تھا جس کا ذکر نمبر ۵ میں ہوا ہے تو اس میں عوام کو قرآن مجید سے اخذ مسائل کی اجازت دی گئی ہے جس کے مفاسد مشاہد ہیں یہ مختصر ومجمل کلام ہے دیباچہ کے بعض اجزاء پر، اس کے بعد خط کے اجزاء کے متعلق کچھ معروض ہے۔

(۹) خط میں اس تدوین کی مصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک مضمون کی آیتیں ایک جگہ مل جائیں گی سواول تو اس غرض کے لئے وہ کتابیں بھی کافی ہیں جن میں مضامین قرآن کی فہرست مع نشان مقام لکھی ہے صرف جامع کو تھوڑی سی مشقت جو زیادہ دشوار نہیں برداشت کرنے کی ضرورت ہوگی۔

دوسرے اگر اس مصلحت کے ساتھ کوئی مفسدہ بھی ہو تو سمعاً وعقلاً مفسدہ کو مؤثر قرار دے کر اس سے تحرز کا حکم دیا جائے گا اور مصلحت کا اہتمام نہ کیا جائے گا، خصوصاً جب کہ وہ مصلحت دوسرے سالم طریق سے بھی حاصل ہو سکے۔

(۱۰) آگے تحریر فرمایا گیا ہے کہ جو مطالب ان جلدوں میں نظر نہ آئیں اطلاع دیں بقیہ جلدوں میں فراہم کردیئے جائیں گے۔

اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ ایسے مطالب کی فہرست طویل ہے آسانی سے ضبط نہیں ہوسکتی اس پر اطلاع کا صرف یہی طریقہ تھا کہ کل جلدیں اور ان کی فہرستیں سامنے ہوں جس سے اس وقت معذوری ہے اور بدون اس کے یہ رائے قائم کرنا کہ انتخاب مکمل ہے یا غیر مکمل ہے دشوار اور سخت دشوار ہے البتہ موجودہ فہرستوں میں حب الوطن وسرمایہ

داری وغیر ہما کے موضوعات دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ شاید اس مذاق کا دوسرے خاص مسائل میں بھی اثر ظاہر ہوا ہو جیسے ہدایت بالجہاد محض الدین یا استرقاق یا صدور معجزات وکرامات اور بقیہ جلدوں میں بھی یہ موضوعات نہ ہوں اور بہت سے مسائل اس قسم کے ہیں جن میں عقلاء زمان علماء ادیان سے اختلاف رکھتے ہیں اگر ان میں بھی نہیں ہیں تو انتخاب نہ جامع ہے کہ یہ اجزاء خارج رہ گئے اور نہ مانع ہے کہ حب الوطنی اور سرمایہ داری وغیر ہما داخل ہو گئے۔

(۱۱) آگے حسن نیت کا ذکر فرمایا ہے اس میں کلام کرنے کا کسی کو حق نہیں، البتہ اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ قانون الٰہی میں اجر مطلق نیت پر موعود نہیں بلکہ عمل کا ماذون فیہ ہونا بھی شرط ہے اور ابھی تک اس کا ماذون فیہ ہونا سمجھ میں نہیں آیا جیسا مفصلاً معروض ہوا۔

(۱۲) اس کے بعد تقریظ کے لئے فرمایا گیا ہے اس میں وہی عذر ہے جو اس عریضہ کے ابتدائی حصہ میں معروض ہوا یعنی تقریظ شہادت ہے اور شہادت میں میرا معذور ہونا اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے۔

آخر میں درخواست ہے کہ چاروں جلدیں امانت رکھی ہیں اگر محصول کے ٹکٹ بھیج کر مجھ کو بھیجنے کی اجازت دی جائے تو کسی مستحق کے پاس پہنچ جاویں گی میں نے احتیاطاً اپنے ایک دوست کو بھی ان کا خیال حاصل کرنے کے لئے یہ جلدیں دکھلائیں تھیں ان کی رائے بھی ملاحظہ گذرے گی جو جدا ورق پر مرقوم ہے گو لہجہ اس کا میری تحریر کے لہجہ سے زیادہ صاف ہے لیکن نفس مقصود کے اعتبار سے بالکل پرُ از انصاف ہے اب متکلم ومخاطب وغائب سب کی نیت سے اس دعا پر اس معروضہ کو ختم کرتا ہوں۔

الھم أرناالحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنأالباطل باطلا وارزقنا اجتنابه والسلام[1]

---

[1] امدادالفتاویٰ ۲۲۳ تا ۲۲۷ ج ۶

ایسی کتابوں پر بجائے تقریظ لکھنے کے سب کو جلا دینا چاہیے

آج کل سب کو عقل کا ہیضہ ہو رہا ہے، آزادی کا زمانہ ہے ہر ایک خود مختار ہے، چنانچہ عورتیں بھی کسی بات میں مردوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتیں ہر علم وفن کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں، تصنیفیں کرتی ہیں اخبارات میں مضامین بھیجتی ہیں۔

چنانچہ ان ہی دنوں ایک کتاب میرے پاس بھی رائے لینے کے لئے آئی تھی، اس میں اس قسم کے مضامین تھے کہ اول تو مسلمانوں کی شکایت تھی کہ یہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتے نہ دین کی نہ دنیا کی (دین کا نام تو برائے نام لیا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی ترقی نہیں کرتے) قوم کی قوم پستی میں جا پڑی ہے، مسلم جماعت دوسری قوموں کی نظر میں سخت حقیر ہو رہی ہے اور حقیر بن کر رہنا اسلامی حمیت کے خلاف ہے۔

اس کے بعد اس کتاب میں لکھا ہے کہ آج کل کے مسلمان ہاتھ پیر تو بالکل نہیں ہلاتے، نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں، نہ کماتے ہیں، جب ان سے کسی کام کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بلا تقدیر کے کچھ نہیں ہو سکتا، اور جب پریشان ہوتے ہیں تو وظیفے پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں۔ پھر اس دعاء کے مضمون کے بعد لکھا ہے کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ بھائی مجھے اور بھی کچھ کام ہے یا تمہاری ہی سنتا رہوں تم تو ہر وقت دعا ہی مانگتے رہتے ہو، میں نے جو تم کو ہاتھ پاؤں دے دیئے ہیں ان کو ہلاؤ ان ہی سے اپنا کام نکالو مجھے کیوں ستائے جاتے ہو نعوذ باللہ! گویا یہ بی بی اللہ تعالیٰ کی پیشکار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہی یہ خاص خاص باتیں کہہ دی ہیں پھر ان کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچائی جاتی ہیں، کیا کوئی مسلمان ایسی کتاب میں موافقت رائے کر سکتا ہے؟ میری رائے میں ان کتابوں کی اصلاح یہ ہے کہ سب کو جمع کر کے ایک دم جلا دیا جائے۔[1]

---

[1] وعظ کساء النساء ملحقہ حقوق الزوجین ص ۲۲۷، ۲۲۸

باب ۵

سوانح عمری اور ملفوظات ومواعظ لکھنا

آ ج کل کی سوانح عمریوں میں ہوتا ہی کیا ہے سوائے غیر مفید قصوں اور کہانیوں کے حالانکہ دیکھنے کی بات تو یہ تھی کہ مثلاً اس مسئلہ میں ان بزرگوں کی تحقیق کیا ہے یا فلاں موقع پر وہ کیا تعلیم فرماتے تھے، اب ان باتوں کو تو لکھتے نہیں غیر ضروری قصے لکھتے ہیں۔

اور اکثر سوانح عمری لکھنے والوں کی نیت بھی درست نہیں ہوتی بلکہ ایسی باتوں کو سوانح عمری میں درج کرنے سے کبھی تو جاہ مقصود ہوتی ہے کہ ہم ایسے شخص کی طرف منسوب ہیں اور کبھی مال مقصود ہوتا ہے کہ لوگ خوب خریدیں گے۔

مجھ کو ان ہی عوارض کے سبب سوانح عمری سے دلچسپی نہیں اور میں کہتا ہوں کہ سوانح عمری میں کیا رکھا ہے اصل چیز تو یہ ہے کہ جوان بزرگ میں کمالات تھے ان کی پیروی کی جائے۔البتہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بے شک ضروری ہے اس لیے کہ ان واقعات سے احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا اتباع کیا جائے پھر ان کے جمع کرنے میں احتیاط کس درجہ کی گئی ہے، باقی بزرگوں کے حالات قابل اتباع تھوڑی ہیں۔[۱]

سوانح عمری لکھنے میں بے احتیاطی اور فساد نیت

آج کل بزرگوں کی سوانح عمریوں میں بہت مبالغہ کرتے ہیں ذراسی بات ہوتی

---

[۱] القول الجلیل ص:۲۷-۲۹

ہے اور اس کو خواہ مخواہ اس قدر بڑھاتے ہیں کہ حد سے زیادہ میں نے خود ایسی سوانح عمری دیکھی ہیں چنانچہ آج کل بھی ایک ایسی ہی سوانح عمری ایک بزرگ کی چھپی ہے اس میں بھی یہی طرز اختیار کیا گیا، حتیٰ کہ نقائص کو تاویل کر کے کمالات میں داخل کر دیا جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ معائب ومحاسن ہر ایک کے اندر ہوتے ہیں، ایسا کون ہے کہ جس کے اندر محاسن ہی محاسن ہوں اور معائب نہ ہوں، سب بزرگوں میں محاسن بھی ہوتے ہیں اور معائب بھی، تو اب ان معائب کا خواہ مخواہ کھینچ تان کر محاسن میں داخل کرنا مجھ کو پسند نہیں، چنانچہ اس سوانح عمری میں بھی ایک ایسے ہی موقع میں ایک واقعہ کی ایسی پرتلبیس تقریر کی ہے کہ جس سے ناظر اول وہلہ میں فوراً دھوکہ میں آجاتا ہے، اس میں ایک قصہ لکھا ہے اور اگر پہلے سے مجھ کو وہ قصہ معلوم نہ ہوتا تو میں بھی دھوکے میں پڑ جاتا، مگر چونکہ وہ قصہ میرے ہی ساتھ گذرا تھا اس لئے میں خوب اس سے واقف تھا کہ واقعہ اصلی کیا تھا مگر اس سوانح عمری کے اندر بالکل برعکس کیا گیا ہے اور اس طرح تقریر کی ہے کہ میری تو ایک کوتاہی دکھلائی اور ان کا کمال، خیر مجھ میں تو ہزاروں کوتاہیاں ہیں مجھ کو اس طرف التفات بھی نہیں، لیکن بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے اس کے جواب کا ارادہ کیا مگر میں نے ان کو روک دیا، چنانچہ مولوی عبدالحلیم صاحب نے غالباً اس کا جواب لکھا تھا یا لکھنے کو تھے اور مجھے اطلاع دی مگر میں نے ان کو منع کر دیا کہ اس سے جماعت میں تفریق ہوتی ہے، پھر اس کو میری طرف منسوب کیا جائے گا کہ یہ اسی کی کارروائی ہے۔

فرمایا کہ اکثر ایسی سوانح عمری لکھنے والوں کی نیت بھی درست نہیں ہوتی، بلکہ ایسی باتوں کو سوانح عمری میں درج کرنے سے کبھی تو جاہ مقصود ہوتی ہے کہ ہم ایسے شخص کی طرف منسوب ہیں اور کبھی مال مقصود ہوتا ہے کہ لوگ خوب خریدیں گے۔[1]

---

[1] القول الجلیل ص ۲۶،۲۹

حضرت تھانوی کی وصیت اور فرمان

میں نے کہہ دیا ہے کہ بھائی میری سوانح عمری نہ لکھی جائے، میں نے جو کچھ اپنے قلم سے مضامین لکھ دیئے وہی میری سوانح عمری ہے اس میں میری وہ غلطیاں بھی ہیں جو دوسرا معتقد نہ لکھتا میں نے خود اس کو اپنے قلم سے لکھ دیا ہے، بس میں تو اس میں خوش ہوں ہمارے بزرگوں کو اس کا اہتمام نہ تھا دیکھ لیجئے، حضرت میاں جی یعنی دادا پیر کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی، مولانا یعقوب صاحب کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی، حضرت حاجی صاحب کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی البتہ مولانا قاسم صاحب کی سوانح عمری مولانا یعقوب صاحب نے لکھی تھی، سو اول تو وہ راوی بے شک ایسے تھے، دوسرے روایت مختصر لکھی ہے جتنی لکھی ہے مغز ہے۔[1]

چونکہ محبت میں اکثر مدائح غیر واقعیہ مشہور کر دیئے جاتے ہیں اس لیے میں اپنی سوانح لکھا جانا پسند نہیں کرتا، اگر کسی کو بہت ہی بے تابی کا شوق ہو اور دوسرے اہل تدین و تحقیق بھی اجازت دیں تو روایت میں شدید احتیاط کو واجب سمجھنا چاہئے، ورنہ میں بری ہوتا ہوں۔[2]

بزرگوں کا فعل حجت نہیں، فتویٰ حجت ہے

فرمایا: آج کل جو سوانح لکھی جاتی ہیں ان میں سے اکثر کی خرابیاں سنئے، سلف کے بعد کافی بشری کمزوریاں سب میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہیں تو انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ بھی سب لکھو مگر ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کمزوریوں کو بھی تاویل کر کے محاسن میں داخل کر کے لکھتے ہیں اور اس میں ایک باریک راز ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان کمزوریوں کو ظاہر کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ ایسے ناکارہ پیر سے کیا تعلق رکھیں اس لیے ایسی چیزوں پر پردہ ڈالتے ہیں، اور سوانح میں اس طرح سے

---

[1] القول الجلیل ص:۲۷-تا۲۹ [2] اشرف السوانح ۱۱۱/۳

سب باتوں کا اظہار نہ کرنا تاریخی حیثیت سے تو موضوع سوانح کے خلاف ہے ہی، مگر دینی حیثیت سے بھی جھوٹ ہے اور اچھا خاصہ دھوکہ ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک کپڑا ہے جو نہایت بوسیدہ ہے مگر اس کو دھو کر استری کر کے دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں خواہ ہاتھ لگاتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے البتہ دور سے زیارت کر لو ہاتھ لگانا جرم ہے، سو اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ایسے امور کو چھپایا جائے اگر ان کو ظاہر کر کے ان کا قابل اقتداء نہ ہونا بھی لکھ دیا جائے تو کیا حرج ہے، اس لیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے افعال کا تو اتباع ہوسکتا ہے، امتی کا فعل حجت نہیں ہوتا، صرف فتوی حجت ہوسکتا ہے اور یہ بات مسلمات میں سے ہے اس لیے میں ایسے کتمان کو ناپسند کرتا ہوں۔[1]

بزرگوں کے معمولات کی شرعی حیثیت

اگر کوئی (بزرگ) صاحب معمولات بھی ہو تو اس کے معمولات کی تفتیش اس لیے بھی عبث ہے کہ اتباع امتی کے افعال کا نہیں ہوتا صرف انبیاء علیہم السلام کے افعال کا ہوتا ہے، یا جس کے افعال کے اتباع کا سنت میں امر وارد ہوا ہو جیسے حضرات خلفائے راشدین یا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثلاً غرض باستثناء مذکور غیر نبی کی تعلیمات قولیہ کا اتباع ہوتا ہے نہ کہ اس کے معمولات فعلیہ کا کیونکہ ممکن بلکہ غالب ہے کہ اس کے معمولات فعلیہ اس کی خصوصیات میں سے ہوں اور وہ اتباع کرنے والے کے مناسب حال نہ ہوں، مثلاً اگر ان کی مقدار زیادہ اور متبع کے تحمل سے باہر ہوئی تو اس کو وہ مضر ہوں گے، اسی طرح اگر کسی صاحب معمولات کے معمولات اس کی خصوصیت حال کی وجہ سے کم ہوئے تب بھی ان کا اتباع دوسروں کو مضر ہوگا مثلاً کتابوں میں لکھا ہے کہ اَبدال☆ کی نماز بہت مختصر ہوتی ہے مگر بلا نقص اور ان کے ظاہری اعمال نافلہ بھی بہت کم ہوتے ہیں تو جو اس درجہ کا نہ ہوگا اس کے لئے معمولات کی یہ کمی مضر ہوگی۔

بہر حال کسی کے معمولات فعلیہ کا اتباع (مطلقاً) نہیں چاہئے اور جب

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ۱۰/۴، قسط: ۳ ☆ بزرگوں کی ایک قسم ہے۔

اتباع نہیں کرنا تو پھر پوچھنا بھی ایک فعل عبث ہے بلکہ اس تفتیش میں صاحب معمولات کے انقباض کا احتمال ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بعض عبادات کواوروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو اس لیے (بزرگوں کے معمولات کی) تفتیش نہیں چاہئے، اتفاق سے علم ہوجائے تو اور بات ہے لیکن اس صورت میں بھی بلا پوچھے ان پر عمل ہرگز نہ کرے البتہ انبیاء کے اقوال وافعال سب متبوع ہیں تاوقتیکہ کوئی تخصیص کی دلیل قائم نہ ہو۔[1]

فرمایا: معمولات تو افعال ہوتے ہیں اور اتباع احوال کا ہوتا ہے اسی لئے کسی بزرگ کے معمولات لکھنا (اس پہلو سے) بے کار ہے بلکہ یہ مورخین کا مذہب ہے کہ دوسروں کے معمولات لکھتے پڑھتے ہیں۔

سوانح عمری کا نفع

بعض احباب نے احقر کے کچھ حالات کچھ مقالات ملقب بہ ''اشرف السوانح'' اس غرض سے جمع کئے ہیں کہ مطالعہ کرنے والوں کو اور بالخصوص ان میں جو احقر سے دینی تعلق رکھتے ہیں ان کو علمی وعملی نفع ہو، اور مدت طویلہ تک جس کی حد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے باقی رہے۔ اگر چہ میرے حالات ومقالات قابل نفع نہیں نیز پہلے سے ہر قسم کا علمی وعملی ذخیرہ امت کے ہاتھ موجود ہے جو جدید ذخیرہ سے مستغنی کرنے والا ہے مگر اس کے ساتھ **انا عند ظن عبدی بی** (میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں) سنت اللہ یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اور اس کے حالات ومقالات سے نفع کا گمان ہوتا ہے اس سے نفع کے حاصل ہونے میں خاص سہولت ہوتی ہے، اس موقع پر احقر نے بھی ان کے اس فعل میں مزاحمت نہیں کی، گو یہ فعل میری وصیت مدونہ نیز میری طبیعت کے بھی خلاف ہے مگر اس توقع مذکور پر ان کی مخلصانہ خدمت کو گوارا کرلیا گیا۔[2]

---

[1] اشرف السوانح ۳/۱۶ [2] التبلیغ شکر السوانح ۳/۶۹

سوانح عمری لکھنے کا ثبوت قرآن پاک سے

قال اللہ تعالی حکایۃ عن دعاء ابراھیم علیہ السلام وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخَرِیْنَ. (پ۱۹سورہ شعراء)

اس وقت میرا مقصود صرف اس آیت کے متعلق بیان کرنا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت حق میں عرض کررہے ہیں کہ اے اللہ! ایک دعا میں یہ بھی کرتا ہوں کہ میرے نفع کے لیے آئندہ آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر یا بعنوان دیگر نیک نام جاری اور باقی رکھئے، ذکر خیر ترجمہ ہے لسان صدق کا......ابراہیم علیہ السلام کے اس دعا مانگنے سے معلوم ہوا کہ بقاء ذکر خیر فی الآخرین ہے، (لوگوں میں ذکر خیر اور نیک نام ہونا) ایک بڑی نعمت ہے جو طلب کے قابل ہے...... اوران دعاؤں کا خالص دینی ہونا ظاہر ہے جس کی طرف کلمہ لی کے لام میں اشارہ قریب صراحتاً ہے کیونکہ لام نفع کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ بعد والوں میں (جو کہ آخرین کا مدلول ہے) کسی کا ذکر خیر رہنا کسی دنیوی نفع کا سبب نہیں ہوسکتا پس لامحالہ وہ دین ہی کا نفع ہے اور وہ ثواب ہے یعنی وہ لوگ میرے طریقہ پر چلیں جس پر مجھے زیادہ ثواب ملے اسی کو ایک آیت ''اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَھُمْ'' میں آثار سے ظاہر فرمایا، چنانچہ حدیث ''من سنّ سنۃ حسنۃ الخ'' کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کو تلاوت فرمانا (کما فی الدر المنثور) اس نفع تفسیر بالثواب کی صاف دلیل ہے۔ حاصل یہ کہ یہ بقاء الذکر فی الآخرین (بعد کے لوگوں میں ذکر خیر باقی رہنا) یہ بھی ایک بڑی دینی صنف ہوئی اور نعمت کے تمام افراد مطلوب ہیں: کما قال اللہ تعالیٰ ''وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہ' ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً''۔

اوراس مطلوب نعمت کے حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں منجملہ ان کے ایک صورت کسی شخص کے حالات ومقالات کی تدوین واشاعت بھی ہے جو عادۃً اس شخص کے

مدت دراز بقاء ذکر خیر کا ذریعہ ہے اوراس شخص کے ذکر کے لیے دعا کا یہ سبب ہوگا اور سبب ہو گا قابل اتباع افعال میں مسلمانوں کی اقتداء کا اور شہداء اللہ فی الارض کے حسن ظن کی برکت سے سبب ہوگا اس شخص کے جبر نقص (کوتاہیوں کی تلافی) اور عطا کی تکمیل کا۔[1]

سوانح عمری لکھنے کا ثبوت حدیث پاک سے

حدیث شریف میں ہے **إذا آخی الرجل الرجل فلیسئله عن اسمه واسم أبیه وممن هو فانه أوصل للمودة.** (ترمذی،المقاصد حسنه ص ۳۳)

(یعنی مواخاۃ وملاقات کے وقت ایک دوسرے کا نام وپتہ وغیرہ معلوم کر کے تعارف کر لینا چاہیے ،اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے،اس لئے اگر سوانح عمری سے) غرض محض محبین کی زیادت معرفت ہو اور اس کے واسطے سے محبت کی زیادتی مقصود ہو تو یہ حدیث مذکور کے موافق ہے، پھر کوئی وجہ ہی شبہ کی نہیں۔[2]

زندہ شخص کی سوانح عمری لکھنے میں احتیاط و بے احتیاطی کے دو پہلو

ایک تو بے احتیاطی ہے کہ یہ (سوانح) زندہ شخص کے متعلق ہے جو اکثر اہل طریق کے معمول کے خلاف ہے جس کی حکمت اس حدیث میں مذکور ہے۔

من کان مستنافلیستن بمن قدمات فان الحی لا یومن علیه الفتنة، (جمع الفوائد) اور اکثر اس لیے کہا گیا کہ بعض اکابر نے خود بھی اپنے سوانح لکھے ہیں جیسے جلال الدین سیوطی اور عبدالوہاب شعرانی **کما بلغنی عن بعض الثقات۔**

ایک احتیاط یہ ہے کہ روایت میں افراط وتفریط کا احتمال بہت کم ہو جاتا ہے جس کا وقوع اکثر خوش اعتقادوں کے غلو سے ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر میں نے وصیت کے ضمیمہ میں تاکیداً منع کیا ہے کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے۔ سو اس افراط وتفریط

---

[1] وعظ شکر السوانح التبلیغ:۴۷ [2] اشرف السوانح ۱؍۳

کا احتمال کم ہو جاتا ہے کیونکہ صاحب واقعہ اس کی تنقید کر سکتا ہے اور اس مصلحت کے اہم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[1]

سوانح عمری یا ملفوظات کے ضمن میں بیان کردہ فقہی مسائل کی اہمیت

ایک معتد بہ حصہ لکھا ہوا دیکھنے پر ایک حکمت یہ بھی مشاہدہ میں آئی کہ واقعات خاصہ کے ضمن میں بہت سے مسائل کی تنقیح ہوگئی ہے اور ان کی تدوین و تنقیح گو مقصود بھی ہو سکتی تھی اور ہوئی بھی ہے لیکن واقعات چونکہ ان کے لئے بمنزلہ شواہد کے ہوگئے اس لئے اس طرز سے وہ اوضح و اوقع فی النفس (زیادہ واضح اور دلنشیں) ہوگئے، آخر کوئی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں عبرتوں اور حکمتوں کے ساتھ قصے بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔[2]

بعض مسائل بجائے تحریر کے تقریر اور ملفوظات کے ذریعہ زیادہ اچھی طرح سمجھے اور سمجھائے جا سکتے ہیں

(قضاء قاضی کا نفاذ صرف ظاہراً ہوتا ہے یا باطناً بھی؟ اس مسئلہ میں ایک صاحب علم نے اپنے کچھ شبہات لکھ کر حضرت تھانویؒ سے استفسار کیا، حضرت تھانویؒ نے مجملاً جواب دینے کے ساتھ تحریر فرمایا:)

مفصلاً سمجھنا تو اس مسئلہ کا زبانی آسان ہے .... باقی قضاء قاضی کا سبب ہو جانا یہ لکھنے سے سمجھ میں نہ آوے گا کبھی ملاقات کے وقت پوچھئے گا انشاء اللہ اطمینان کرا دوں گا۔[3]

---

[1] اشرف السوانح ۱/۳ [2] اشرف السوانح ۱/۴ [3] امداد الفتاویٰ ص ۴۳۲ ج ۳ کتاب القضاء

اشرف السوانح کی تصنیف کے متعلق مولانا عبدالماجد صاحب کا خط

مولانا عبدالماجد صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

''النور'' کے ایک پچھلے پرچہ سے یہ معلوم کرکے بڑی ہی مسرت ہوئی کہ خواجہ صاحب جناب کی سوانح عمری مرتب کررہے ہیں (یہ خواجہ عزیزالحسن صاحب غوری مجذوب کی وہی سوانح عمری ہے جو اشرف السوانح کے نام سے تین جلدوں میں حضرت کی حیات ہی میں شائع ہوگئی تھی، اور چوتھی جلد خاتمۃ السوانح کے نام سے حضرت کے بعد نکلی)

حضرت تھانویؒ کا جواب

صحیح خبر ہے جس میں مجھ سے شدید مجاہدہ کرایا گیا ہے، کئی طرح پر، اول یہ کہ میرے مذاق کے بالکل خلاف ہے میں نے اپنے وصایا میں اس کی سخت ممانعت کی ہے، دوسرے اس لئے کہ مجھ کو تصحیح کی غرض سے دکھلایا جاتا ہے جس سے بہت ضیق ہوتی ہے ،اس ضیق کا علاج میں نے ایک شعر سے کیا ہے جو تمہید میں لکھ دیا ہے ؎

عشق کردہ ام رستم داستان دگرنہ ملے بود درسیستان

سوال: خدا ایسا کرتا کہ جلد سے جلد شائع ہوجاتی۔

جواب: کوشش جامع کی بھی یہی ہے، مگر مزاج میں ان کے کاوش اور تطویل ہے جس کو میں بہت شدت سے روک رہا ہوں جس سے غالب امید ہے کہ زیادہ تاخیر نہ ہوگی۔

سوال: جی تو یہ چاہتا تھا کہ اشاعت سے قبل ہی اس سے مشرف ہوجاتا، لیکن خیر یہ کہاں نصیب۔

جواب: اگر مسودہ یہاں ہوتا تو دکھلانا بہت آسان تھا، تیار حصہ لکھنؤ چلا گیا ،کاتب سے لکھوانے کے لئے۔[1]

''اشرف السوانح'' نام رکھنے پر اعتراض اور اس کا جواب

مولانا عبدالماجد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت تھانویؒ کے ایک سر پھرے مرید نے (یہ اعتراض کیا تھا) کہتے تھے کہ کتاب کے ''اشرف السوانح'' نام سے لازم آتا ہے کہ یہی تمام سوانح عمریوں سے اشرف ہے، یہاں تک کہ پیمبروں کے بھی سوانح سے۔؟[2]

حضرت تھانویؒ کا جواب

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعتراض کا جواب تو دینے کو دل نہیں چاہتا، اسی کا جی خوش ہو گیا، مگر کشف حقیقت خود ایک مطلوب چیز ہے ،وہ یہ کہ افعل التفضیل کا مفہوم کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی اضافی، نصوص میں امت کے لئے بہ کثرت ایسے صیغے وارد ہیں، علماء کے کلام میں بھی بہ کثرت مستعمل ہیں۔[2]

ملفوظات اور سوانح لکھنے والے قابل شکر ہیں

رسالہ ''اشرف السوانح'' میں میرے لیے اس نعمت کا سامان کیا گیا ہے (جس کا ذکر اس آیت میں ہے وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخَرِیْن. جس کی تفصیل ص:۹۳ میں گذری) تو اس کی تدوین اور نشر کے داعی میرے لیے وسائط نعمت (نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ) ہوئے اور منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد واسطہ نعمت کا

---

[1] نقوش وتاثرات ص۴۵۹ [2] حکیم الامت نقوش وتاثرات ص۴۹۳

شکریہ بھی مامور ہے چنانچہ حدیث میں ہے **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** (جس نے لوگوں کا شکریہ نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر نہیں کیا) اور اہل شکر کا ایک طریقہ ایک حدیث میں دعا اور ثناء کرنا بھی وارد ہے۔ **من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیراً فقد أبلغ فی الثناء**، جس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک (احسان) کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے کو دعا میں جزاک اللہ کہہ دیا تو اس نے ثناء کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی۔ (ترمذی)

اس لیے میں اس جلسہ میں ایسے صاحبوں کے لیے دعا بھی کرتا ہوں جو ثناء پر بھی دال ہے۔ (کما سبق فی الحدیث المذکور آنفا) اور دوسرے حضرات سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔[1]

اپنی یا دوسروں کی سوانح لکھنے میں نقائص ومعائب اور کوتاہیوں ولغزشوں کو ظاہر کرنے کا حکم

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی حضرت کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ایک مسئلہ بھی مدت سے دریافت کرنا چاہ رہا تھا، نوبت آج جا کر آرہی ہے خیال یہ رہ رہ کر آتا ہے کہ اپنے قلم سے اپنے حالات زندگی پوست کندہ، من وعن لکھ ڈالوں، پھر اگر ہمت ہو تو زندگی ہی میں چھاپ دوں، ورنہ بعد والوں کے لئے چھوڑے جاؤں، اس میں اپنی بدعقیدگی، بدعملی، معاصی سب ہی کی تصریح ہوگی، گو مقصود اس سے انشاءاللہ دوسروں کی اصلاح وعبرت ہی رہے گی، لیکن پھر بھی دل ڈرتا ہے کہ حدیث میں تو اظہار فسق واعلان معصیت کی ممانعت آئی ہے، کہیں اس کی خلاف ورزی نہ ہو، اب جیسا جناب والا کا ارشاد ہو۔

---

[1] وعظ شکر السوانح، التبلیغ ۳/۶۷

الجواب

غور کرنے سے اس کے متعلق یہ اجزاء ذہن میں آئے۔

(۱) جن معاصی کے اظہار سے ممانعت ہے مراد اس سے وہ ہیں جن کو مرتکب بھی معصیت سمجھتا ہے ان کا اظہار صورۃً جسارت ووقاحت ہے اس لئے ممنوع ہے۔

(۲) عقائد فاسدہ کا اظہار اس میں داخل نہیں کیونکہ ان کا ارتکاب دین اور حق سمجھ کر کیا تھا اس لئے وہ علت اس میں نہیں۔

(۳) پھر معاصی مذکورہ کا اظہار بھی اگر ضرورت دینیہ سے ہو، جیسے مصلح کے سامنے بہ غرض اصلاح، اس میں وہ علت نہیں پائی جاتی اس لئے وہ ممنوع نہیں، جیسے بدن مستور کا کشف معالج کے سامنے جائز ہے اوروں کے سامنے نہیں۔

(۴) اور جہاں یہ ضرورت نہ ہو، محض اپنے نقص کے اظہار دوسروں کی تحذیر کی مصلحت ہو چونکہ یہ مصلحت عنوانات کلیہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، مثلاً مجھ سے بہت سے معاصی سرزد ہوئے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، دوسرے حضرات بھی میرے لئے استغفار کریں، اس لئے جزئیات کا اظہار جائز نہیں۔

امید ہے کہ جواب کافی ہوگیا ہو، اگر کوئی ضروری چیز رہ گئی ہو، پھر سوال کرلیا جائے۔[1]

ملفوظات ومواعظ

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ملفوظات ضبط کرنے کا اہتمام نہ کرو اس کی کوشش کرو کہ تم ایسے ہوجاؤ کہ تمہارے منھ سے بھی وہی نکلنے لگے جوان بزرگوں کے منھ سے نکلا۔[2]

---

۱ حکیم الامت نقوش وتاثرات ۵۴۱، ۵۴۲ ۲ الفصل للوصل ص:۱۹۷

ایک بار فرمایا: سوانح عمریاں لکھنے سے اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کہ ملفوظات کے لکھنے سے ہوتا ہے۔

بزرگوں کے ملفوظات ومواعظ کا مطالعہ کیا جائے، بزرگوں کی تصانیف اوران کے ملفوظات میں بھی وہی اثر ہوتا ہے جو ان کی صحبت میں ہوتا ہے، تجربہ اورمشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بزرگوں کی تصانیف میں قریب قریب وہی نفع ہوتا ہے جو ان کے پاس رہنے سے ہوتا ہے گو بالکل اس کے برابر نہ ہوگا مگر اس کے قریب ضرور ہوگا۔

جب پھولوں کا موسم چلا جائے تو اب اس کی خوشبو گلاب سے حاصل کرنی چاہئے گلاب میں بھی پھول کی خوشبو مل سکتی ہے،اسی طرح آفتاب چھپ جائے تو اب چراغ سے روشنی حاصل کرنی چاہئے، یہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کے کلام میں نور ہوتا ہے۔

عورتیں بزرگوں کے ملفوظات اوراحوال جوموجود ہیں ان کو دیکھتی رہا کریں، اورمردوں کو بھی بزرگوں کی تصانیف اوران کے ملفوظات اوراحوال کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔[1]

حضرت تھانوی کی مجلس کی برکت اوراس کے فائدے

فرمایا: اگر یہاں پر دو برس کوئی رہ لے تو اور کچھ تو نہیں لیکن انشاءاللہ فہم دین (تفقہ فی الدین) تو اس کو ضرور حاصل ہوجائے گا اور یہی اصل چیز ہے،ایک بار فرمایا کہ دین تو اس کا سنبھلے گا ہی انشاءاللہ دنیا بھی اس کی درست ہوجائے گی، واقعی حضرت کے یہاں دنیا کے بھی عجیب غریب انتظامات دیکھنے میں آتے ہیں جن کو اگر دستور العمل بنایا جائے تو دنیاوی زندگی بھی نہایت راحت وآرام سے بسر ہو۔[2]

---

[1] حقوق الزوجین ص:۱۲۰،وعظ الکمال فی الدین للنساء [2] حسن العزیز ۱/۲۷

حضرت تھانوی کے ملفوظات ومواعظ

(ایک طالب کو تحریر فرمایا) میرے مواعظ کثرت سے دیکھا کرو، اس سے انشاء اللہ بہت نفع ہوگا اور جلد ہوگا، مواعظ میں خدا کے فضل سے سب کچھ موجود ہے اور ملفوظات مواعظ سے زیادہ نافع ہیں اس لیے کہ ان میں خاص حالت پر گفتگو ہوتی ہے جو طالب کے لیے بے حد مفید ہے۔[1]

حضرت تھانویؒ کی تقریر وتحریر کا فرق

فرمایا: میری تقریر میں تو وسعت ہوتی ہے اور تحریر تنگ ہوتی ہے احقر (جامع ملفوظات) کہتا ہے کہ تنگی تحریر کے یہ معنی ہیں کہ وہ مختصر ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ مطلب سے بھی تنگ ہوتی ہے کما ہو مشاہد اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اختصار حضرت کی طبیعت میں داخل ہے، تحریر میں اگر بسط کیا جائے تو دیر زیادہ لگتی ہے اس واسطے اس میں بسط نہیں فرماتے۔[2]

وہ ملفوظات ضبط کرنا چاہئے جن میں کوئی علمی یا عملی فائدہ ہو

ملفوظات لکھنے کے لیے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے کیونکہ بعض باتیں محض مزاح میں کہہ دی جاتی ہیں، بعض غامض حقائق اپنے فہیم (سمجھدار) خدام کے سامنے ایسے بھی بیان کردیئے جاتے ہیں جن کا عوام تک پہنچانا اس وجہ سے کہ ان کے فہم سے بالاتر ہیں خلاف مصلحت ہوتا ہے، چنانچہ سینکڑوں باتیں مجھ ہی کو ایسی معلوم ہیں جن کو میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا، بعض تذکروں کو جو میں نے دیکھا تو ان میں، میں نے بہت سے ایسے ملفوظات پائے جو ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ان کو ضبط کرکے شائع کیا جاتا، بعض بہت ہی پوچ اور لچر حکایتیں بھی ان میں درج کردی گئی ہیں، حالانکہ

---

[1] الافاضات ۳/۱۱۳ [2] حسن العزیز ۴/۱۲۴

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض مزاح میں وہ بیان کردی گئی ہوں، بس صرف ایسے ہی ملفوظات منضبط کرنے چاہئے جن میں کوئی علمی یا عملی فائدہ ہو۔

احقر جامع نے بعض واقعات ایسے بھی ضبط کر لیے تھے جن سے عوام کو غلط فہمی ہونے کا احتمال تھا (حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے) ان کو نظر اصلاحی میں حذف فرمادیا، اور احقر سے فرمایا کہ ہر بات لکھنے کے قابل نہیں ہوا کرتی۔[1]

مذہبی دینی رسالہ کیسا ہونا چاہئے

ایک مذہبی پرچہ کا ذکر ہوا جس میں اعتراضات بھی ہوتے ہیں اور خبریں بھی ہوتی ہیں، رائے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا: یہ مذہبی پرچہ کی شان نہیں ہے، ماشاء اللہ ''الامداد'' میں سوائے احکام اور اصلاح کے کچھ نہیں ہوتا، نہ رائے، نہ اعتراض اور نہ کوئی خبر، میری رائے میں مذہبی پرچہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔[2]

مضمون کیسے رسالہ میں نکالیں

سندھ سے ایک خط حضرت مدظلہ العالی کی خدمت میں آیا کہ یہاں سے ایک اخبار نکلنے والا ہے اس میں یا تو اپنا مضمون دیا کیجئے یا کوئی اپنا وعظ دے دیجئے کہ وہی تھوڑا تھوڑا نکالا جائے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ جب تک پرچہ کی حالت نہ دیکھ لی جائے، کہ اس میں کس قسم کے مضامین نکلتے ہیں اس وقت تک اپنا مضمون دینا مناسب نہیں کیونکہ مضمون کے ہونے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اخبار ان کا بھی پسندیدہ ہے تب ہی تو مضمون اس میں طبع ہوا۔[3]

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، الافاضات الیومیہ ۲۰۵/۵، قسط:۲، ملفوظ:۱۶۱ [2] حسن العزیز ۱/۱۸/۷
[3] حسن العزیز ۱۳۵/۲:

بابؔ ٦

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تصنیفات وتالیفات سے متعلق خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کا مضمون ☆

(ماخوذ از اشرف السوانح جلد۳)

حضرت والا بعون اللہ تعالیٰ وبفضلہٖ اس وقت تک چھ سو چھاسٹھ کتابوں کے مصنف ہو چکے ہیں[۱] جن کی فہرست اس سوانح کے آخر میں قبیل خاتمۃ الکتاب ملحق ہے، ایسے کثیر التصانیف حضرات جیسے کہ حضرت والا ہیں قدماء میں ہوا کرتے تھے، دین کا کوئی ضروری شعبہ ایسا نہیں جس پر حضرت والا کی تصنیف موجود نہ ہو اور جس کی پوری تحقیق حضرت والا نے نہ فرمادی ہو، اور مجدد کا یہی کام ہوتا ہے کہ دین کے ہر ہر جزء میں جو جو خرابیاں لوگوں نے پیدا کردی ہوں ان کو دور کر کے دین کو اس کی اصلی صورت میں جلوہ گر کردے۔

حضرت والا نے تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تجوید سبھی شعب دینیہ کے متعلق کتابیں تصنیف فرمائی ہیں البتہ ان میں سے حدیث کی معتدبہ خدمت بلاواسطہ نہیں فرمائی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب حضرت والا نے اس طرف توجہ فرمائی اور چاہا کہ فقہ حنفی کے کل ابواب کے دلائل حدیثوں سے جمع کئے جائیں چنانچہ اس کے متعلق بطور نمونہ ایک عجالہ ''جامع الاثار مع حاشیہ تابع الآثار'' بھی لکھا تو کچھ دن بعد حضرت والا کو دوسرے کام کرنے والے مل گئے ان سے اپنی نگرانی میں ''اعلاء السنن'' جس کے پہلے

☆ پورا مضمون حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے، سرخیاں اور عناوین مرتب کے قائم کردہ ہیں۔

[۱] علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔۔۔کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں، آٹھ سو کے قریب ہیں۔(آثار علمیہ)

حصے کا نام ''احیاء السنن'' ہے لکھوانا شروع فرمادی اور خود اس پر نظر اصلاحی فرماتے رہے چنانچہ اب تک یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ برابر جاری ہے، اگر دوسرے کام کرنے والے نہ ملتے تو اس نہایت مہتم بالشان اور ممتد خدمت کو بھی خود ہی انجام دینے کا قصد تھا اور اس کو حضرت والا اتنی ضروری اور مہتم بالشان کتاب سمجھتے ہیں کہ اس کی تالیف پر ہزاروں روپیہ خرچ فرما چکے ہیں اور ایک مدت دراز سے اس کا سلسلہ جاری فرما رکھا ہے۔ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اگر یہاں کے مدرسہ میں اور کوئی کام نہ ہو صرف یہی ایک تصنیف تیار ہو جائے تو اس کا بڑا کارنامہ ہو کیونکہ یہ اپنی شان کی ایک بالکل نئی تصنیف ہے۔

حضرت والا کو تصوف اور تفسیر اور منطق سے خاص مناسبت ہے اور ان فنون میں اعلیٰ درجے کی مہارت ہے بالخصوص تصوف اور تفسیر کی مناسبت کی تو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے ابتداء ہی میں خاص طور سے بشارت دے دی تھی جس کا ذکر باب شرف بیعت واستفاضہ باطنی میں گذر چکا ہے اور جو بفضلہٖ تعالیٰ بعد کو بالکل سچی ثابت ہوئی۔

حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی خصوصیت

حضرت والا کی کسی تصنیف کو لے کر دیکھنا شروع کر دیجئے بس حقائق دینیہ روز روشن کی طرح واضح ہوتے چلے جاتے ہیں اور شرح صدر ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرت والا جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو پھر اس کا کوئی ضروری پہلو نظر انداز نہیں ہونے پاتا اور اس پر نہایت مکمل ومدلل بحث فرماتے ہیں اور مدلل بھی بہ دلائل صحیحہ وقویہ عقلیہ ونقلیہ، جس پر پھر کسی اہل فہم وانصاف کو بجز تسلیم کوئی چارہ نہیں ہوتا اور ذرا بھی گنجائش انکار باقی نہیں رہتی اور عنوان بھی ایسا غیر دل آزارانہ اور محبوبانہ ہوتا ہے کہ مضامین دل میں گھر کرتے چلے جاتے ہیں، حضرت والا خود اس کی یہ وجہ فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ میری شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ بس سچی ہی سچی باتیں لکھی جائیں

اور سچی ہی سچی باتیں میں لکھتا بھی ہوں اسی لئے وہ عموماً دل کو لگ جاتی ہیں کیونکہ حدیث میں ہے، الصدق طمانینة والکذب ریبة۔

حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی مقبولیت

حضرت والا کی تصانیف بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر مقبول ہوئی ہیں کہ مصنف کی حیات میں شاید ہی کسی کی تصانیف کو اتنی مقبولیت عامہ حاصل ہوئی ہو چنانچہ بعضی تو ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں اور برابر چھاپی جا رہی ہیں اور شرقاً وغرباً ان کا شیوع ہو رہا ہے اور بعضی کتابیں تو گھر گھر پائی جاتی ہیں حتیٰ کہ مخالفین کے گھروں میں بھی، کہیں مختلف زبانوں میں ترجمے ہو رہے ہیں، کوئی انتخابات کر رہا ہے کوئی تبویب کر رہا ہے جیسا کہ تفصیل اعتناء اہل علم سے ظاہر ہے جو فہرست تالیفات کے بعد سوانح ہذا کے آخر میں یعنی مضمون ''خاتمۃ الکتاب'' کے بعد متصلاً ملحق ہے، بہت سے تو حضرت والا ہی کی تصانیف کی بدولت اچھے خاصے مصنف بن گئے، نیز حضرت والا کے کلمات حکمت آیات اس اہتمام سے قلمبند کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں کہ جس کی نظیر صدیوں سے مفقود ہے، گویا جو کلمہ زبان فیض ترجمان سے نکلتا ہے وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل سمجھا جاتا ہے مصداق قول احقر ؎

سب نے کر لی حرز جاں ورد زباں بات جو نکلی لب اعجاز سے

اور واقعی حضرت والا معمولی گفتگو میں بھی اور سرسری طور پر بھی جو بات فرماتے ہیں اس میں بھی علوم ومعارف ہوتے ہیں اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہوتی ہے اور اکثر معمولی گفتگو بھی دین ہی کے متعلق ہوتی ہے یا دین کا پہلو لئے ہوئے ہوتی ہے۔

حضرت والا کی تصانیف کی مقبولیت عامہ کے متعلق خود حضرت والا کا ایک بہت پرانا ارشاد یاد آیا، عرصہ دراز ہوا ایک بار مخالفین کی مخالفانہ کارروائیوں کا ذکر فرما کر احقر سے

بہت جوش کے ساتھ فرمایا تھا کہ مخالفین سب اپنی اپنی کوششیں کرلیں آپ دیکھیں گے کہ انشاءاللہ تعالیٰ میری کتابیں ایسی پھیلیں گی ایسی پھیلیں گی کہ کسی کے روکے نہ رکیں گی، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا، اس پر احقر کو اپنے یہ شعر یاد آتے ہیں ۔

خود ہی مٹ جائیں گے سب حق مٹانے والے لاکھ کوشش کریں مٹتا ترا افسانہ نہیں
داغ دل چمکے گا بن کر آفتاب لاکھ اس پر خاک ڈالی جائے گی

حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی انقلاب انگیز تاثیر

حضرت والا کی تصانیف کی مقبولیت عامہ اور نافعیت تامہ کے ہزارہا واقعات وشہادات ہیں جو احاطۂ بیان سے باہر ہیں، آئے دن حضرت والا کے پاس نئے نئے طالبین کے خطوط آتے رہتے ہیں جن میں وہ یہی لکھتے ہیں کہ حضرت والا کی تصانیف سے ہماری بالکل کایا پلٹ گئی، بہت سے انگریزی خوانوں کے دہری خیالات کی اصلاح ہوگئی اور وہ پکے مسلمان ہوگئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض مجاز بیعت وتلقین بھی ہوئے، بہت سے فیشن پرست خداپرست ہوکر سر سے پاؤں تک ملانی وضع میں رہنے لگے، بہت سے اہل بدعات ورسوم نے اپنے آبائی طریق کو چھوڑ دیا اور اپنے خویش واقارب کی بھی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ بہتیروں نے اپنے سابق پیروں تک کو چھوڑ دیا اور حضرت والا سے رجوع کیا، بہت مرتبہ خود احقر کو اس کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا کہ غیر مسلم اور فرق باطلہ کے لوگ بھی حضرت والا کے مضامین سن کر عش عش کرنے لگے اور نہایت شوق کے ساتھ کتابیں مانگ مانگ کر بغرض مطالعہ لے جانے لگے اور **الفضل ماشهدت به الا عداء** کا ظہور ہوا۔

ایک غالی بدعتی مولوی صاحب نے جو حضرت والا کے سخت مخالف تھے حضرت والا کا مضمون حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے متعلق رسالہ میں دیکھ

کر قبل حضرت والا کے نام دیکھنے کے بہت تعریفیں کیں کہ یہ تو کسی بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑے محقق کا لکھا ہوا ہے لیکن جب حضرت والا کا لکھا ہوا بتایا گیا تو چپ رہ گئے، بعض گمراہ صوفی جو نماز پڑھنے کو بھی نعوذ باللہ ضروری نہیں سمجھتے تھے حضرت والا کا مطبوعہ ''وعظ روح الارواح'' پڑھ کر نماز پڑھنے لگے، مطبوعہ مواعظ راحت القلوب اور طریق القلندر کو بھی دیکھ کر اور سن کر لوگوں کو بہت متأثر ہوتے ہوئے احقر نے خود مشاہدہ کیا ہے اور مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ غیر مسلموں تک کو۔

حضرت والا کے رسائل بہشتی زیور اور مناجات مقبول سے بہت کم مسلمان گھر خالی ہوں گے، حضرت والا کی تفسیر ''بیان القرآن'' تو بے نظیر سمجھی جاتی ہے، اور آج کل عموماً حضرت والا ہی کا ترجمہ مترجم حمائلوں اور قرآنوں میں چھاپا جاتا ہے۔

متبحر اہل علم کی شہادت

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا تبحر علمی مسلم ومشہور تھا فرمایا کرتے تھے کہ بیان القرآن دیکھ کر تو مجھے اردو کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا ورنہ میں سمجھتا تھا کہ اردو کی کتابوں میں علوم عالیہ کہاں، ایک اہل فضل کلام مجید کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں اور ان کے پیش نظر متقدمین ومتأخرین سب کی تفاسیر رہتی ہیں وہ تفسیر بیان القرآن کی بار بار انتہا درجے کی تعریفیں لکھ لکھ کر بھیجا کرتے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں کہ جتنی اس سے مجھ کو مدد مل رہی ہے کسی تفسیر سے نہیں ملی۔

غرض حضرت والا کی تصانیف کی مقبولیت عامہ اور نافعیت تامہ مسلم ومشہور زمانہ ہے اور اگر کسی کو دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ اب دیکھ کر اس کی تصدیق کرے، میں تو اس اشرف السوانح کو مرتب کرنے کے دوران اس کا بخوبی تجربہ کر چکا ہوں کہ اگر اتفاق سے بھی حضرت والا کی کوئی تحریر کسی قسم کی بھی نظر سے گذر گئی ہے تو اس میں حقائق ومعارف کے جواہرات انبار

کے انبار بھرے ہوئے پائے ہیں، اور میں تو نہایت وثوق کے ساتھ ببانگ دہل کہتا ہوں کہ غور وفہم وانصاف سے جو شخص بھی حضرت والا کی تصانیف کو مطالعہ میں لائے گا اس کو بھی ہر تصنیف میں بس یہی منظر نظر آئے گا اور وہ بھی میرا ہمنوا بن جائے گا بقول احقر ؎

جو غور سے خط شوق آنجناب دیکھیں گے ☆ تو لفظ لفظ میں مضمر کتاب دیکھیں گے

لیکن افسوس تو یہی ہے کہ لوگ یا تو مال ودولت کی ہوس میں یا عناد وحسد کی بلا میں یا اپنے علم وتجربہ کے ناز میں یا اخبار بینی اور ناول بینی کے شوق میں ایسے مبتلا ہیں کہ انہیں ان بے بہا کتابوں کے دیکھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ بقول شخصے ؎

افسوس قدردان نہیں ہیں کمال کے ☆ کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو تحصیل دین کا شوق عطا فرمائے اور حضرت والا کی تصانیف سے مستفید ہونے کی کماحقہٗ توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت تھانویؒ کی چند اہم تصانیف

یوں تو حضرت والا کی ہر تصنیف بے حد نافع اور ضروری ہے لیکن چند کتابیں اپنی خصوصیات میں خاص امتیازی شان رکھتی ہیں مثلاً تفسیر بیان القرآن ،کلید مثنوی، قصد السبیل، تربیت السالک، اصلاح انقلاب، حیات المسلمین، الانتباہات المفیدۃ، احکام الائتلاف، مسائل السلوک، التکشف، التشرف ،نشر الطیب، التنبیہ الطربی، السنۃ الجلیہ ، اخبار بینی، سجادہ نشینی، تلبین العرائک ،بوادر النوادر، الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، الاعتدال فی متابعۃ الرجال، ونحو ذلک۔

بہشتی زیور کی مقبولیت

حضرت والا کی تصانیف کو جو منجانب اللہ مقبولیت عامہ حاصل ہے وہ بالکل ظاہر ہے محتاج بیان نہیں، ایک بہشتی زیور ہی کو دیکھ لیجئے کہ لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے

اور گھر گھر موجود ہے جس کی حضرت والا نے اس کے دیباچہ میں تمنا بھی تحریر فرمائی تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی، اس کتاب کی مقبولیت عنداللہ کے متعلق جناب مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے ایک صالح شخص کا خواب روایت فرمایا جس کے متعلق مولوی صاحب ممدوح ہی کی تحریر بلفظہ درج ذیل کی جاتی ہے۔

غیبی اور منامی تائید

احقر عبدالکریم سے مخدوم مکرم جناب مولوی رستم علی صاحب ساکن ملانپور ضلع انبالہ نے چندمرتبہ بیان فرمایا ہے کہ ایک عرصہ ہوا (غالباً ۱۳۲۸ھ یا اس سے کچھ قبل کا ذکر ہے) کہ میرے بھائی حاجی رحمت اللہ صاحب نے حضرت رائپوری علیہ الرحمۃ سے میری موجودگی میں عرض کیا کہ چندروز ہوئے میں نے خواب میں ایک نہایت نفیس باغ دیکھا اور لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ اس میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں بندہ باغ میں داخل ہوکر دربارِ پُرانوار میں حاضر ہوا لیکن دربان نے حجرۂ شریفہ کے دروازے سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی میں نے دوسرے دروازے سے داخل ہونا چاہا وہاں بھی دربان موجود تھا آخرکار دروازے پر کھڑے کھڑے زیارت سے مشرف ہوتا رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام جاری فرمارہے تھے اور خدام کاغذات پیش کررہے تھے اخیر میں جب کاغذات کی پیشی ہوچکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر مبارک اٹھا کر اس غلام کی طرف دیکھا اور محبت سے ارشاد فرما کر درباریوں سے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو اردو میں سمجھاؤ اس پر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے چند اوراق اٹھا کر مجھ کو دیدیئے میں پڑھا لکھا نہیں اس واسطے پڑھ تو نہ سکا لیکن اوراق الٹ کر خوب دیکھا بعض جگہ بڑے بڑے حروف تھے اور بعض جگہ چھوٹے چھوٹے اور ان کاغذات کا نقشہ خوب ذہن نشین ہوگیا اس کے بعد بیدار ہوا اور کتابیں دیکھیں جب بہشتی زیور پر نظر پڑی تو میں

نے فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی کتاب ہے اور اس کو پڑھوا کر سنا تو خوب سمجھ میں آئی، حضرت رائپوری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مبارک خواب ہے اور بہشتی زیور کے مقبول ہونے کی دلیل ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوگی، مولوی رستم علی صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ بھائی صاحب کو چند روز کے بعد ۱۳۲۸ھ میں بمعیت حضرت رائپوری زیارت حرمین نصیب ہوگئی اور ان کو بہشتی زیور کا بیحد شوق ہے بار بار سننے سے تمام کتاب کے مسائل از بر یاد ہوگئے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں خود پڑھ نہیں سکتے لیکن خاندان کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتے رہتے ہیں۔ انتہا بلفظہ

حضرت تھانویؒ کا تصنیفی ملکہ، ۱۸؍ سال کی عمر میں اہم تصنیف اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی بشارت

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے شروع سے اعلیٰ درجے کا ملکۂ تصنیف عطا فرمایا ہے چنانچہ طالب علمی ہی کے زمانے میں جب کہ صرف ۱۸ سال کی عمر تھی فارسی میں مثنوی ''زیر وبم''، لکھی، اسی طرح حضرت والا کی اس کثرت تصانیف میں شروع ہی سے امداد غیبی بھی شامل حال رہی ہے، چنانچہ اس زمانہ میں جب کہ حضرت والا اپنے پیر ومرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں قیام پذیر تھے اور حسب ایماء اعلیٰ حضرت حضرت ابن عطاء اسکندریؒ کی کتاب تنویر کا اردو ترجمہ ''اکسیر فی اثبات التقدیر'' کررہے تھے جو ۱۳۱۲ھ کی تصنیف ہے، اعلیٰ حضرتؒ نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ کام ہوتا ہوا دیکھ کر یہ بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے وقت میں برکت رکھی ہے، چنانچہ واقعی حضرت والا کے وقت میں کھلی ہوئی برکت دیکھنے میں آتی ہے، جتنے وقت میں جتنا کام حضرت والا کر لیتے ہیں اکثر تجربہ کاروں کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ دوسرا نہیں کرسکتا۔

حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی کثرت ومقبولیت کے مختلف اسباب، پہلا سبب کام کی دھن اور اس کی تکمیل کی فکر

اس امداد غیبی کے چند ظاہری سبب بھی ہیں۔

ایک سبب یہ ہے کہ حضرت والا کے اندر کسی کام کو شروع کر کے اس سے اپنے قلب کو فارغ کرنے کا تقاضا اس شدت سے پیدا ہو جاتا ہے کہ جب تک اس سے بالکل فراغ حاصل نہیں فرما لیتے چین ہی نہیں پڑتا، رات دن بے وقت بہ استثناء امور ضروریہ اسی کی تکمیل کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور اس کو جلد سے جلد پورا فرما کر ہی دم لیتے ہیں، چنانچہ احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب ''کلید مثنوی'' کی شرح قریب ختم پہونچی تو حضرت والا کے اندر اس سے فراغت حاصل کرنے کا اس شدت کے ساتھ تقاضا ہوا کہ آخر میں دن بھر اسی کو لکھتے رہے اور پھر تمام رات لکھتے رہے ایک منٹ کے لئے بھی نہ سوئے اور قبل فجر اس کو ختم کر کے چھوڑا اور فرمایا کہ پوری رات جاگنے کا اس سے پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا جس کا یہ اثر ہوا کہ بوجہ خلاف عادت تعب برداشت کرنے کے بخار ہو گیا، لیکن بخار میں بھی ایک اطمینانی کیفیت تھی کیونکہ کام سے فارغ ہونے کے بعد بخار آیا تھا۔

گو حضرت والا کے اندر کام سے جلد فراغ حاصل کرنے کا تقاضا فطری ہے لیکن اس میں ایک خاص مصلحت بھی ہے، چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں اپنے قلب کو ہر وقت فارغ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ اگر کبھی متوجہ بحق ہونے کی توفیق ہو تو کوئی مانع تو نہ ہو، بآسانی قلب کو رجوع کیا جا سکے، اھ

امداد غیبی کی دوسری صورت

دوسری صورت امداد غیبی کی یہ ہوتی ہے کہ حضرت والا کو کسی مضمون کے تحریر فرمانے

میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اکثر بڑے بڑے غامض مضامین کو بھی قلم برداشتہ ہی لکھتے دیکھا، گودوران تحریر میں اور بعد کو بھی اس میں اضافات وترمیمات بھی بکثرت فرماتے رہتے ہیں اوراس کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ میں اس کواپنا نقص سمجھا کرتا تھا کہ میرا مسودہ بوجہ کثرت ترمیمات واضافات کے اکثر بہت ناصاف ہوتا ہے لیکن ایک ماہر کا قول سننے میں آیا کہ یہ نقص نہیں ہے بلکہ کمال ہے کیونکہ یہ ذہن کی جولانی کی علامت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذہن خوب چلتا ہے اور کسی ایک مقام پر رکتا نہیں بلکہ ترقی کرکے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اھ

وقت میں برکت کی تیسری وجہ

تیسری وجہ وقت میں برکت کی یہ ہوتی ہے کہ موانع سے حفاظت رہتی ہے چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ تفسیر ''بیان القرآن'' لکھنے کے زمانے میں جس کی مدت تقریباً ڈھائی سال تھی میرا کبھی کان بھی گرم نہیں ہوا حالانکہ اس زمانے میں یہاں طاعون کی بھی بہت کثرت رہی۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جب تفسیر لکھنے کے زمانے میں قصبے کے اندر شدت کے ساتھ طاعون پھیلا تو میں نے دعا کی کہ یا اللہ جب تک تفسیر پوری نہ ہو اس وقت تک تو مجھے زندہ ہی رکھئے گا، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ میرا کان بھی گرم نہ ہوا اور الحمدللہ تفسیر پوری ہوگئی۔ نیز حضرت والا نے اس زمانے میں سفر بھی موقوف فرمادیا تھا۔

موانع سے حفاظت کا ایک اور واقعہ یاد آیا، ایک بار پچاس خط کے قریب آگئے اور چونکہ ریل کے اوقات بدل جانے کی وجہ سے ظہر کے بعد بہت دیر میں ڈاک ملتی تھی اس لئے جوابات لکھنے کے لئے بہت کم وقت رہ گیا تھا، اس روز اللہ تعالیٰ کی یہ دستگیری ہوئی کہ تحریرِ جوابات کے دوران میں تعویذ وغیرہ مانگنے والے بھی نہیں آئے ورنہ عموماً خطوط کے

جوابات لکھنے کے دوران میں لوگوں کی مختلف اغراض کے لئے آمدوشد لگی ہی رہتی ہے، نیز اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ جب کسی مضمون کے لکھنے کیلئے کسی حوالہ کی ضرورت ہوئی تو وہ بآسانی مل گیا تلاش میں زیادہ وقت نہیں صرف کرنا پڑا۔

قابل تحقیق امور میں استفسار اور تحقیق کا اہتمام

ایک بار مثنوی شریف کی شرح لکھتے وقت کبوتر بازوں کی کسی اصطلاح یا عام عادت کے معلوم کرنے کی ضرورت پڑی تو اس وقت حضرت والا کو تشویش ہوئی کہ اس وقت کبوتر باز کہاں ملے جس سے پوچھوں، اتفاق سے اسی وقت ایک شخص آیا اس نے ایک تعویذ کی درخواست کی حضرت والا کو معلوم تھا کہ وہ کبوتر باز ہے اس لئے اس سے وہ دریافت طلب امر پوچھ لیا جس سے مثنوی شریف کا وہ مقام فوراً حل ہوگیا۔ چنانچہ حضرت والا نے اس مقام کی شرح میں غالبًا یہ واقعہ بھی تحریر فرمادیا ہے۔

چوتھا سبب عدم غلو اور زیادہ کاوش سے احتراز

چوتھا سبب حضرت والا کی کثرت تصانیف کا عدم غلو ہے، چنانچہ جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند نے بھی ایک بار یہی رائے ظاہر فرمائی تھی، حضرت والا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رائے کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ واقعی بالکل صحیح فرمایا، زیادہ کاوش سے کچھ کام نہیں ہوتا، میری نظر تو صرف ضرورت پر رہتی ہے، ضرورت سے زیادہ کاوش کرنے سے بہت جی الجھتا ہے اسی وجہ سے میری عبارت بہت مختصر ہوتی ہے مگر اظہار مدعا کے لئے بالکل کافی وافی ہوتی ہے اور واضح بھی ہوتی ہے، بلاضرورت میں ہرگز تطویل نہیں کرتا مگر جہاں وضوح کے لئے تطویل ہی کی ضرورت ہو وہاں تطویل سے گریز بھی نہیں کرتا۔ اھ

یادداشت کے لئے قلم کاغذ ہر وقت ساتھ

حضرت والا جس زمانے میں بکثرت کتابیں تصنیف فرماتے تھے اکثر اپنے پاس پنسل اور کاغذ رکھتے تھے اور جس وقت اس کے متعلق کوئی مضمون ذہن میں آتا فوراً اس کو لکھ لیتے بلکہ بعض اوقات رات کو سوتے وقت بھی تکیہ کے نیچے کاغذ اور پنسل رکھ لیتے تا کہ اگر رات کو بھی کوئی مضمون ذہن میں آئے تو فوراً روشنی کر کے اس کے متعلق یادداشت لکھ لی جائے۔

جب بہشتی زیور کا حصہ دہم زیر تالیف تھا جس میں عورتوں کی بے تمیزیوں کا بھی ذکر ہے اس زمانے میں جب کسی کے گھر تشریف لے جانا ہوتا تو جہاں جو بے تمیزی کی بات دیکھنے میں آتی فوراً اس کو اپنی یادداشت میں لکھ لیتے، اسی طرح مشی (ٹہلنے) وغیرہ میں بھی حضرت والا کا ذہن فارغ نہیں رہتا، اکثر مسائل مشکلہ پیش آمدہ میں غور وخوض ہی فرماتے رہتے ہیں اور جب کوئی بات سمجھ میں آتی ہے اس کو یادداشت میں تحریر فرما لینے کا فوراً انتظام فرماتے ہیں تا کہ ذہن سے نکل نہ جائے یہاں تک کہ بعض مرتبہ اسی غرض کے لئے جنگل سے لوٹ آئے اور اس مضمون کو قلمبند فرما کر پھر مشی (ٹہلنے) کے معمول کو پورا کرنے کیلئے جنگل دوبارہ تشریف لے گئے۔

بلاضرورت دماغ پر بار ڈالنے سے احتراز اور ضروری کام کو فوراً کر ڈالنے کی کوشش

اس کا یہ بھی سبب ہے کہ حضرت والا اپنے دماغ پر کسی بات کے یاد رکھنے کا بار بلا ضرورت کبھی نہیں ڈالتے اور کوئی کام ادھار نہیں رکھتے چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ جس وقت جو کام پیش آتا ہے میں اس کو دوسرے وقت پر نہیں ٹالتا فوراً کر ڈالتا ہوں گو اس میں

اس وقت تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے لیکن بعد فراغ بس بالکل بےفکری ہوجاتی ہے اور پھر بڑی راحت رہتی ہے، ورنہ ٹالنے سے اکثر کام پھر ہوتے ہی نہیں اور اگر ہوئے بھی تو برابر فکر دامنگیر رہتی ہے اور جتنا وقت گزرتا ہے وہ کلفت ہی میں گزرتا ہے پھر اس سے تھوڑی دیر کی تکلیف ہی کیوں نہ گوارا کرلی جایا کرے، پھر چاہے فراغ کا وقت کم ہی ملے مگر وہ راحت اور بےفکری سے تو گزرے گا جس سے دماغ کو سکون ہوگا اور قلب کو فرحت حاصل ہوگی۔

حضرت والا تصنیف کے ان معمولات کو بیان فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں اگر کوئی خادم دین معاش کا شغل کرے تو وہ دین کی خدمت کماحقہ کیوں کر کرسکتا ہے۔

کثرت تصانیف اور وقت میں برکت کا

پانچواں سبب انضباط اوقات اور اس کی پابندی

حضرت والا کی کثرت تصانیف اور وقت میں برکت ہونے کا پانچواں سبب یہ بھی ہے کہ حضرت والا نہایت منضبط الاوقات ہیں چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میں انضباط اوقات نہ کرتا تو دین کی جو کچھ تھوڑی بہت مجھ سے خدمت ہوسکی ہے وہ ہرگز نہ ہوسکتی۔

حضرت والا انضباط اوقات کے یہاں تک پابند ہیں کہ جب حضرت والا کے استاد مکرم جناب مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا کر حضرت والا کے مہمان ہوئے تو حضرت والا نے حضرت مولاناؒ کے لئے راحت وآرام کے سارے انتظامات فرمادینے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا تو نہایت ادب کے ساتھ اجازت حاصل فرما کر تصنیف کے کام میں مشغول ہوگئے گو پھر دل نہ لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد حاضر خدمت ہوگئے لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہ کیا۔

معمولی تحقیق کے لئے بھی بڑا اہتمام

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض تصانیف میں کبھی بہت ہی مختصر سی بات کے معلوم کرنے کے لئے بعض کتب کو دوسرے مقامات سے بڑا اہتمام اور خرچ کر کے منگوایا گیا اور اس کی مدد سے ایک ذراسی عبارت لکھ کر ان کو فوراً واپس کر دیا گیا، اب اس ذراسی عبارت کو دیکھنے والا یوں ہی پڑھتا چلا جائے گا لیکن اس کو کیا خبر کہ اس کے لکھنے میں کتنا اہتمام کیا گیا تھا۔

اسی طرح تفسیر بیان القرآن کے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے کے قبل میں آدھ آدھ گھنٹہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا تب کہیں جا کر شرح صدر ہوا اور جن بعض مقامات کے متعلق پھر بھی شرح صدر نہ ہوا، وہاں اس کا صاف اظہار فرما دیا اور لکھ دیا کہ اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے، چنانچہ تفسیر میں دو مقامات ایسے ہیں ایک سورہ برأت میں ایک سورہ حشر میں، اور یہ حضرت والا کی خصوصیات خاصہ میں سے ہے ورنہ اکثر اہل علم کو اپنے عجز و نقص کے اظہار سے عار مانع ہوتی ہے۔

تفسیر بیان القرآن کی بعض خصوصیات

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے بیان القرآن میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ تفسیر تو وہی لکھی جو خود میری سمجھ میں آئی لیکن جب تک اس کی تائید سلف صالحین کی تفاسیر سے نہیں ملی اس پر اطمینان نہیں کیا، اس صورت میں تفسیر بظاہر تو سلف کی تفاسیر سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت وہ سرتاسر خود حضرت والا ہی کی تفسیر ہے، نیز اس التزام میں وقت بھی بہت صرف ہوا اور ہر مقام کے لئے بہت سی تفاسیر کو دیکھنا پڑا اور دیکھنے والوں کو اس کی خبر بھی نہیں، اور جہاں اپنی تفسیر کی کوئی صریح تائید سلف سے باوجود

تلاش نہیں ملی وہاں بھی رکھا میں نے اپنی ہی تفسیر کو لیکن اس کے آگے یہ لکھ دیا کہ **ھذا من المواھب** ۔اھ

حیات المسلمین کی بعض خصوصیات

اسی طرح حیات المسلمین کو واضح اور سلیس اور جامع مانع عبارت میں تحریر فرمانے کی حضرت والا نے اتنی سعی فرمائی کہ خود فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اتنا تعب اپنی کسی تصنیف میں نہ پڑا ہوگا کیونکہ صرف اسی تصنیف میں یہ ہوا کہ اس کے اکثر مضامین کے جوارواح کے لقب سے ملقب ہیں دو مسودے اور کسی مضمون کے تین مسودے تک لکھنے پڑے۔

حضرت والا اپنی اس تصنیف کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ گو لوگوں نے اس کو اس نظر سے نہیں دیکھا لیکن یہ مسلمانوں کی مادی اور روحانی فلاح کے لئے (بہ انضمام رسالہ صیانۃ المسلمین جس میں نظام عمل مذکور ہے) اتنی نافع اور کافی ہے کہ مجھے اس کے اجر میں انشاءاللہ تعالیٰ مغفرت کی توقع ہے۔

اعلیٰ درجہ کا تقویٰ کہ اپنی تمام تصانیف کو لوجہ اللہ کر دینا اوران سے دنیاوی مفاد نہ حاصل کرنا

غرض حضرت والا نے ہر تصنیف کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور محض لوجہ اللہ، کیونکہ اپنی کسی تصنیف سے کبھی کسی قسم کا دنیوی مفاد حاصل نہیں فرمایا، یہاں تک کہ کسی کتاب کے طبع ہونے کے بعد اس کے نسخہ کے ملنے کی بھی توقع نہیں رکھی چہ جائیکہ شرط، البتہ اگر کسی نے کوئی نسخہ پیش کیا تو لینے سے انکار بھی نہیں فرمایا۔

حضرت والا کی طرف سے عام اجازت ہے کہ جس تصنیف کو جو چاہے اور جتنی تعداد میں چاہے چھاپ سکتا ہے چنانچہ اہل مطابع نے لاکھوں روپے حضرت والا کی

تصانیف کو چھاپ چھاپ کر پیدا کر لئے اور بہتیروں کی تو روزی ہی حضرت کی تصانیف سے چل رہی ہے۔

ایک انگریز جنٹ نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کو تفسیر کے لکھنے میں کتنے روپئے ملے؟ جب حضرت والا نے فرمایا کہ کچھ بھی نہیں تو اس نے بہت تعجب کیا اور کہا کہ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے کی آپ نے محنت ہی کیوں کی، حضرت والا نے فرمایا کہ ہم لوگ اس کے قائل ہیں کہ علاوہ اس زندگی کے ایک اور بھی زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں ، میں نے یہ محنت اس توقع پر کی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے اس کا عوض اس دوسری زندگی میں ملے گا، اور ایک اس سے دنیا کا فائدہ بھی ہے وہ یہ کہ جب میں دیکھوں گا کہ میرے بھائی مسلمان پڑھ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو مجھ کو خوشی ہوگی۔

حضرت والا کی یہ تقریر سن کر جنٹ پر خاص اثر ہوا اور اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے قلب میں اس جواب کی بہت وقعت ہوئی۔

حق تصنیف محفوظ کرنے سے احتراز اور اپنی تمام تصانیف سے متعلق ایک اعلان

چونکہ حضرت والا نے محض خدمتِ دین سمجھ کر خالصاً لوجہ اللہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور مقصود اشاعتِ دین ہے اس لئے حضرت والا نے اپنی کسی تصنیف کی نہ خود رجسٹری کرائی نہ کسی دوسرے کو رجسٹری کرانے کی اجازت دی کیونکہ رجسٹری کرنا اور رجسٹری کرانا شرعاً بالکل ناجائز ہے، چنانچہ بہ ضرورت شرعیہ حضرت والا نے اس کے متعلق ایک اعلان بھی تتمہ رابعہ تنبیہات وصیت مطبوعہ الامداد بابت جمادی الاول ۱۳۳۵ھ میں شائع فرمادیا ہے جو یہاں مکرر اطلاع عام کے لئے بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے وہ اعلان یہ ہے:

''چونکہ یہاں کی تصانیف پر کسی سے کچھ حق تصنیف وغیرہ نہیں لیا جاتا اس لئے

ان کی رجسٹری کرانے کا کسی کو حق حاصل نہیں، فقط یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵''

اسی طرح احقر ناچیز بھی بہ ضرورت شرعیہ نیز حضرت والا کی اتباع میں اپنی اس تصنیف ''اشرف السوانح'' کے متعلق بھی یہی اعلان کرتا ہے کہ یہ میں نے محض لوجہ اللہ نفعِ عام کی نیت سے بلا کسی قسم کے معاوضہ وغیرہ کے لکھی ہے اللہ تعالیٰ خلوص عطا فرمائے اور قبول ونافع فرمائے، میری طرف سے عام اجازت ہے جو چاہے اس کو طبع کرائے، اور میں کسی شخص کو اس کا حق طباعت واشاعت کسی نوع سے محفوظ کرانے کا اختیار نہیں دیتا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جتنی زیادہ سے زیادہ اشاعت وطباعت جمیع اہل مطابع وغیر اہل مطابع کر سکیں کریں تاکہ اس کا خوب شیوع ہوجائے اور نفع عام وتام ہو۔ واللہ الموفق۔

اپنی جملہ تصانیف اور لکھے ہوئے مضامین کو محفوظ رکھنے کا اہتمام

حضرت والا مثل دیگر امور ضروریہ کے اپنی تصانیف کے متعلق بھی نہایت احتیاط اور اہتمام کا التزام رکھتے ہیں چنانچہ اپنی ہر چھوٹی بڑی تصنیف یا تحریری مضمون کے ناموں کی بالالتزام اپنے پاس یادداشت رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہتے ہیں، اس میں علاوہ مکمل فہرست محفوظ رہنے کی مصلحت کے بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ اس صورت میں کوئی تصنیف غلط طور پر حضرت والا کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حضرت والا نے ایک یہ عام اطلاع بھی شائع فرمادی ہے کہ جس مسودے پر میرے دستخط نہ ہوں یا جابجا میرے ہاتھ کی اصلاح بنی ہوئی نہ ہو وہ میرا نہ سمجھا جائے۔

حضرت تھانویؒ کی بڑی خصوصیت ''ترجیح الراجح'' کا سلسلہ

سب سے بڑی احتیاط جو حضرت والا کی اعظم خصوصیات سے ہے یہ ہے کہ اپنی تصانیف کے تسامحات اتفاقی کو جن کا علم خود یا کسی دوسرے کے ذریعے سے ہوتا رہتا ہے ان سے رجوع فرماتے رہتے ہیں اور اس رجوع کو شائع بھی فرماتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ کا ایک خاص لقب ''ترجیح الراجح'' تجویز کیا گیا ہے جو مستقل طور پر جاری ہے، اس سلسلہ میں حضرت والا کو جہاں اپنے تسامح پر شرح صدر ہوجاتا ہے وہاں رجوع فرمالیتے ہیں اور جہاں تردد رہتا ہے وہاں جواب لکھ کر یہ تحریر فرمادیتے ہیں کہ دیگر علماء سے بھی تحقیق کرلیا جاوے۔

اس سلسلے کے متعلق ایک مولوی صاحب سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا یہ قول احقر نے سنا ہے کہ ترجیح الراجح اس زمانے میں ایک بالکل نرالی چیز ہے، یہ سلف صالحین کا معمول تھا، مولانا تھانویؒ (یعنی حضرت والا) کی امتیازی شان اور کمال صدق واخلاص کے ظاہر کرنے کے لئے بس یہی کافی ہے۔

حضرت والا نے بعض فضلاء سے اپنی تصانیف بہشتی زیور امدادالفتاویٰ اور تفسیر بیان القرآن پر نظر ثانی بھی کرائی اور جن تسامحات پر شرح صدر ہوگیا ان کو اصل میں درست فرما کر شائع فرمادیا۔

غرض حضرت والا اس کی بہت ہی احتیاط فرماتے ہیں کہ میری کسی تحریر سے کسی کو کسی زمانہ میں کسی قسم کا بھی ضرر دینی نہ پہونچنے پائے اور غلط فہمی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت والا کے رسالہ تنبیہات وصیت کی تنبیہ دہم متعلقۂ تالیفاتِ خود میں بھی اور اس رسالہ کے تتمات میں بھی بعض احتیاطیں مذکور ہیں جو وہاں یا اشرف السوانح کے باب وصایا میں تلاش سے مل سکتی ہیں۔

حضرت والا کی تصانیف کی بعض خصوصیات فہرست تالیفات میں بھی مذکور ہیں

جواس سوانح کے آخر میں ملحق ہے ان کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

علاوہ ان تحریرات کے جوشائع کی جاچکی ہیں حضرت والا کے ہزار ہا مکتوبات طالبین کے پاس غیر شائع شدہ بھی موجود ہیں جن میں بڑے بڑے نافع مضامین پائے جاتے ہیں جیسا کہ احقر نے بار ہا مشاہدہ کیا اور ہر مکتوب اپنی ذات میں گویا تصنیف کا حکم رکھتا ہے لیکن چونکہ سارے مکتوبات کی نقل محفوظ رکھنا متعذر تھا اس لئے ان سے عام فائدہ نہیں پہونچ سکا، بہرحال جتنا ذخیرہ محفوظ ہے وہ بھی اس مصرعہ کا مصداق ہے ۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اللہ تعالیٰ حضرت مصنف مدت فیوضہم العالیہ کو جزائے خیر مرحمت فرمائے اور مدت مدید تک امت مرحومہ پر سایہ گستر رکھے اور تا قیامت تصانیف کے فیض کو جاری رکھے اور سب مسلمانوں کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہٖ واتباعہ اجمعین۔[1]

حیات المسلمین اور بہشتی زیور کے متعلق اظہار خیال

ایک گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا: مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میری سرمایۂ نجات ہے البتہ حیاۃ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہوجائے گی اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں مگر لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں اس کی قدر ان علماء کو ہوسکتی ہے جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کون سا اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہوگیا اور پھر یہ کتاب گویا ایک فہرست ہے ان اعمال کی کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے

---

[1] اشرف السوانح ۳۹ تا ۴۹ ج سوم

،اس کے لکھنے میں مجھ کو بہت تعب ہوا میں اول اس کے مضامین کو لکھتا تھا پھر ان کو سہل کرتا تھا، اس کے بعد دیکھتا تھا کہ اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا، اور ہر ماہ میں اس کے دوورق لکھا کرتا تھا اور وہ دوورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودہ میں لکھے جاتے تھے۔

حاضرین میں سے ایک صاحب نے بہشتی زیور کے سہل ہونے کی تعریف فرمائی اس پر فرمایا کہ اس کے اندر تو فرعی مسائل ہیں اس کی تسہیل چنداں دشوار نہیں اور اس کے اندر احادیث کی شرح کی گئی ہے مگر ایسی شرح کی گئی ہے کہ جس سے سارے اشکالات کا حل ہو گیا اگر کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو وہ اسی کے پڑھنے سے حل ہو جائے گا اور اسی شخص کو قدر بھی ہو سکتی ہے ورنہ اور کوئی کیا قدر کر سکتا ہے، میرا تو ارادہ تھا کہ میں ایک بار حیاۃ المسلمین کو خود پڑھادوں مگر ہجوم کے احتمال پر موقوف کر دیا مسلمانوں کو جتنی ذلت اور پریشانی آج کل ہو رہی ہے اس کتاب میں ان سب کا علاج ہے، پھر ایک صاحب نے ملفوظ مسمیٰ سلسبیل کی تعریف فرمائی اور اس کے بعد اس سے مختصر اسی باب کا جو ایک ملفوظ ہے مسمیٰ ''الیمّ فی السمّ'' اس کی بھی تعریف فرمائی تو حضرت نے جواباً ہنس کر فرمایا کہ میں اس اخصر کو ایک رسالہ کہا کرتا ہوں ایک رسالہ تو میرا بارہ جلدوں میں ہے یعنی تفسیر اور ایک رسالہ یہ ہے کہ بارہ سطروں کا بھی نہیں مگر میزان کل ہے تمام سلوک کی لیکن اس میزان کل کی قدر اسی کو ہوگی کہ جس نے پوری چھان بین کی ہو اور پوری تفصیل دیکھی ہو ورنہ کیا کوئی قدر کر سکتا ہے اس میں کوئی بات سلوک کی رہی نہیں۔[1]

---

[1] القول الجلیل ص ۵

باب ۷

متفرقات

کسی کتاب یا مضمون میں اگر اضافہ یا کسی نوع کی ترمیم ہوتو اس کی وضاحت وصراحت ضروری ہے

سـوال: (۵۰۲) بہشتی گوہر کے شروع میں تمہید کے بعد ایک صفحہ میں اصطلاحات ضروریہ کے عنوان سے اقسام احکام کی تعریفات لکھی ہیں ان میں حرام اور مکروہ تحریمی کی تعریف مختلف نسخوں میں مختلف لکھی ہے، چنانچہ ایک قدیم الطبع نسخہ میں اس طرح لکھا ہے:

حرام: وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر ہے اور اس کا بے عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔

مکروہ تحریمی: وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے جیسے کہ واجب کا منکر فاسق ہے اور اس کا بغیر عذر ترک کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔

اور جدید الطبع نسخہ میں اس طرح لکھا ہے:

حرام: وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر اور اس کا بے عذر کرنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔[۱]

مکروہ تحریمی: وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے جیسے کہ واجب کا منکر فاسق ہے اور اس کا بغیر عذر کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔[۱]

---

[۱] ص ۷۹ ج ا شامی [۲] ص ۳۳۰ ج ۵ درمختار وشامی

محل اختلاف دونوں کی تعریفوں میں صرف یہ ہے کہ قدیم نسخہ میں بغیر عذر چھوڑنے والا اور بغیر عذر ترک کرنے والا لکھا ہے اور جدید نسخہ میں دونوں جگہ بغیر عذر کرنے والا لکھا ہے۔

جواب: تعریف صحیح دوسری ہے پہلی تعریف اگر مأوّل نہ ہو غلط ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ تعریف مؤلف بہشتی گوہر کی لکھی ہوئی نہیں ہے کسی مہتمم طبع نے اس کا اضافہ کر دیا ہے عجب نہیں کہ مولوی انعام اللہ خاں مرحوم نے لکھ دی ہو جنہوں نے بہشتی گوہر غالباً سب سے اول ۱۳۲۸ھ میں یعنی تالیف سے نو دس ماہ بعد چھاپا ہے ان کو ایسے اضافات کا خاص شوق واہتمام تھا البتہ ان سے دو کوتاہیاں ضرور ہوئیں، ایک یہ کہ اس اضافہ پر اپنے دستخط نہیں کئے، دوسرے یہ کہ ترتیب میں تمہید سے اس کو مؤخر کر دیا جس سے ناظر کو اول وہلہ میں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مؤلف ہی کی لکھی ہوئی ہے ان پر لازم تھا کہ اس پر اپنے دستخط کرتے اور اگر یہ بھی نہ کیا تو کم از کم ترتیب میں اس کو تمہید سے مقدم رکھتے غرض یہ غلطی کسی طابع سے ہو گئی، پھر اس تنبیہ کے بعد طبع متاخرین میں کسی دوسرے طابع ہی نے اضافہ کے اصل مضمون کے بقاء کے ساتھ تعریف بھی بدل دی اور حاشیہ میں اس کی بھی تصریح بھی کر دی کہ یہ مضمون اہل مطابع میں سے کسی نے بڑھا دیا ہے مؤلف کا نہیں ہے۔[1]

کاتب وکمپوزیٹر اور تصحیح کرنے والوں سے بکثرت غلطیاں ہوتی ہیں اس لئے مصنف پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیئے

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حرام اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب معصیت کا اور اس کا ترک واجب ہے یہ کوئی مسئلہ اختلافی نہیں جس میں وہابیت وبدعت یا سنیت مؤثر ہو سو معترض میں اگر ذرا بھی تدوین ہوتا تو کم از کم صاحب مضمون کے سبق قلم یا خلط ذہن

[1] امداد الفتاویٰ ص ۲۱۰ ج ۶

(کما سیأتی فی تقریر التاویل) یاناقل کے سہو کے احتمال پرمحمول کرلینا پھرتصحیح ومقابلہ کا بھی ہروقت صاحب مضمون اہتمام نہیں کرسکتا یانہیں کرتا، بسااوقات مصححین ومقابلین جاہل بھی ہوتے ہیں، چنانچہ ایسے واقعات ہزاروں کی تعداد میں شب وروز مشاہدہ ہیں اسی بناء پر بزرگوں نے وصیت فرمائی ہے ؎

اخاالعلم لاتعجل بعیب مصنف　ولم تتیقن زلة منه تعرف

فکم افسد الراوی کلامابعقله　وکم حرف الاقوال قوم وصحفوا

وکم ناسخ اضحی لمعنی مغیرا　وجاء بشیٔ لم یرده المصنف

تھوڑے ہی زمانہ کا ذکر ہے کہ خود میرے ایک رسالہ میں باری تعالیٰ کی صفات میں عموم قدرت کا لفظ تھا وہ رسالہ ایک محبّ مخلص نے بڑے شوق سے عمدہ لکھائی عمدہ کاغذ پر چھپوا کر پیش کیا، کھول کر جو دیکھتا ہوں تو اس مقام پر بجائے عموم کے عدم لکھا ہوا ہے میں نے کہا بھائی تم لوگ اور گالیاں دلواتے ہو، غالبًا پھر انہوں نے غلط نامہ بھی لگایا غرض ایسے احتمالات بھی تو واقع ہوسکتے ہیں، مگر ایسے احتمال تو اس کو ہوں جس میں انصاف ہو ورنہ معاند تو ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے اور جب کوئی ایسا موقع مل جاتا ہے گویا بندر کے ہاتھ ادرک کی گرہ آجاتی ہے۔

اور اسی سے اس کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہوگی کہ مؤلف کی طرف سے اس غلطی کا اعلان کیوں نہیں ہوا وہ وجہ یہی ہے کہ نہ وہ مضمون مؤلف کا تھا اور نہ اس کو اب تک بھی اس کی اطلاع تھی ورنہ بحمداللہ تعالیٰ مؤلف کی عادت سب کو معلوم ہے کہ اپنی غلطی کی اشاعت ہی کے لئے ''ترجیح الراجح'' کا سلسلہ مدت سے جاری کررکھا ہے چنانچہ اب جو اطلاع ہوئی تو باوجود اپنا مضمون نہ ہونے کے تبرعًا اس پر متنبّہ کررہا ہے۔[1]

---

[1] امدادالفتاویٰ ص ۲۱۱ ج ۶

اقتباسات نقل کرنے میں کافی توسع ہوتا ہے

مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

پچھلے عریضہ میں عرض کیا تھا کہ مشکوٰۃ (باب خطبۃ النکاح) میں سورۃ النساء کی پہلی آیت قرآنی کسی قدر غیر قرآنی لفظوں میں بہ حوالہ سنن اربعہ نقل ہوئی ہے اس سے ذہن کو قدرۃً تشویش تھی کہ اکابر محدثین سے الفاظ قرآنی میں یہ سہو وتسامح کیونکر ہوگیا، اس کے بعد میں نے اصل سنن کا مطالعہ کیا، سوابوداؤد میں تو بیشک وہی الفاظ منقول ہیں، لیکن ترمذی وابن ماجہ میں ایسا نہیں بلکہ آیت کا جزء اول یکسر حذف کرکے اسے شروع ہی میں سے کیا ہے اتقوا اللہ الذی تساء لون بہٖ الخ اس سے کم از کم ان دو اصحاب سنن کی طرف سے تو تساہل کا شبہہ رفع ہوگیا۔

جواب: میں نے بھی دیکھا بہت دل خوش ہوا، ایک توجیہ اور ذہن میں آئی تھی کہ آیت کا نقل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ آیت سے اقتباس مقصود ہو، اور اقتباس میں بہت توسع ہے۔[1]

ایک خاص تصنیف کے متعلق مولانا عبدالماجد دریاآبادی کا حضرت تھانویؒ سے مشورہ اور حضرت تھانویؒ کا جواب

مولانا عبدالماجد صاحبؒ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

۔۔۔۔۔یہ تو ایک علمی استفسار رہا، اب دوسری بات بغرض تصویب پیش کر رہا ہوں۔

[1] حکیم الامت نقوش وتاثرات ص ۵۱۷

کل بعد دوپہر دفعۃً یہ خیال پیدا ہوا اور آج صبح حالت نماز میں اس کی مزید تفصیلات ذہن میں آتی رہیں کہ ایک مستقل کتاب قرآن مجید سے متعلق متفرق مفید معلومات پر مشتمل تالیف کردی جائے، مثلاً یہ کہ قرآن مجید میں اعلام جتنے بھی آئے ہیں، خواہ انذاری حیثیت سے ہوں یا تبشیری حیثیت سے، جیسے انبیاء کرام، حضرت مریم علیہا السلام، لقمان علیہ السلام زید رضی اللہ عنہ، جبرئیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام، ہاروت، ماروت، یاجوج، ماجوج، ذوالقرنین، ابلیس، فرعون، ہامان، قارون، ابولہب وغیرہم۔

یا جن حیوانات کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے مثلاً

حمار، ابل، جمل، سلویٰ، خنزیر، کلب، نحل، نمل ذباب، عنکبوت، فیل، بقر، نعجہ، معز، غنم، ضفدع، قمل، فیل، بقرۃ، وغیرہا۔

یا نباتات مذکورۃ فی القرآن مثلاً

بقل، فوم، قثا، حطہ، عدس، بصل نخل، رمان، عنب، زنجبیل، یقطین، زیتون، زقوم، تین وغیرہا۔

ان سب پر مفصل معلومات خود قرآن مجید اور حدیث اور تاریخ و دیگر علوم سے لے کر یکجا کردیئے جائیں، کام ذرا تلاش وکاوش کا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں کی برکت سے انشاءاللہ آسان ہوجائے گا۔

سب سے پہلے یہ خیال جناب والا ہی کی خدمت میں بغرض مشورہ ورہنمائی ودعائے برکت پیش کررہا ہوں، ساتھ ہی کوئی موزوں نام (ایک یا زائد) بھی بے تکلف ذہن مبارک میں آجائے تو اس سے بھی ایماء فرمایا جائے۔

جواب توقع کے خلاف حسب ذیل آیا:

حضرت تھانویؒ کا جواب

۔۔۔۔۔۔میں نے بہت غور کیا، اس کی کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوئی کہ اس کو پیش نظر رکھ کر غور کرتا اگر آپ کے ذہن میں کوئی معتدبہ مصلحت ہوتو ظاہر فرمائیے اس وقت نام میں غور کروں گا۔[1]

حواشی واضافات کی نسبت مصنف کی طرف نہیں کی جاسکتی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحبؒ کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جوالزام معترض نے دوسروں پر رکھا ہے یعنی عدم تحقیق، اس میں خود اپنے مبتلا ہونے کی خبر نہیں، کیا اس کی تحقیق کر لی ہے کہ یہ نقش وتعویذ میرے لکھے ہیں؟ کیا کسی عبارت سے یہ مستفاد ہوا ہے؟ یا اس پر میرے دستخط ہیں؟ اگر مطبع والے ہی سے پوچھ لیتے تو خبر ہو جاتی، میرا ترجمہ وتفسیر جو میری رائے اور اجازت اور تجویز سے چھپی ہے وہ مطبع مجتبائی میں چھپی ہے، اس کے بعد لوگوں نے مختلف اشکال میں اسی سے لے کر اور کچھ تصرفات واضافات کر کے چھاپا، جس کی نہ مجھ کو اطلاع اور نہ میری اجازت، نہ مجھ سے مشورہ لیا گیا، اب بتلایا جائے کہ اس کی نسبت میری طرف کرنا کیسا ہے؟[2]

کسی مصنف کی طرف غلط بات منسوب کرنا صریح بہتان ہے

طابع وناشرین کی ذمہ داری

مولانا عبدالماجد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] حکیم الامت نقوش وتاثرات ص ۵۵۵ [2] حکیم الامت نقوش وتاثرات ص ۲۵۳

''معجز نما حمائل'' کے ''نئے اعجاز'' کا ذکر ابھی آچکا ہے کہ ترجمہ کسی کا، اور منسوب کسی کی جانب، ایسا ہو چکا تھا کہ اس کی بابت تصریح سے استفتاء کیا جائے، تعمیل معاً کی گئی اور سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے رکوع اول کے ترجمہ کی نقل بجنسہٖ ارسال خدمت کر کے سوال کیا کہ کیا اس ترجمہ کی نسبت جناب والا کی جانب درست ہے؟ جواب آیا:

مکرمی دام لطفہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے آپ کے نقل کئے ہوئے ترجمہ کو اپنے ترجمہ سے ملایا خواہ میرے ترجمہ سے اچھا ہو، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ میرا ترجمہ نہیں، نہ اصلی، اور نہ بدلا ہوا، کیونکہ بدلنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے، یہ تو بالکل ہی مغائر ہے، مجھ کو یاد آتا ہے کہ اس کے متعلق پہلے ہی تحقیق کی گئی ہے، اور ناشر سے درخواست کی گئی ہے کہ تم اپنی غلطی کو شائع کر دو، اور میری رائے اب بھی یہی ہے کہ اگر خود وہ اس واقعہ کو شائع کر دیں تو غالباً اس میں خفت ہو جائے ورنہ کسی کی طرف ایسی غلط نسبت کرنا بہتان صریح اور کذب قبیح ہے، اللہ تعالیٰ اصلاح فرماوے۔ والسلام اشرف علی ۲۲؍رمضان ۱۳۴۷ھ [1]

تمام مصنفین اور شعراء کے ساتھ بھی حسن ظن لازم ہے جب تک کہ صریح دلیل کے خلاف نہ ہو

مولانا عبدالماجد دریا آبادی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ایک مسئلہ بہت مدت سے کھٹک رہا ہے، گذارش کی نوبت آج آرہی ہے، سوال فارسی اور اردو شاعری کے بڑے حصہ سے متعلق ہے، شاعروں نے کس کس طرح کفریات بکے ہیں، اور اپنے اعمال فاسقانہ پر کیسا کیسا فخر کیا ہے، جنت پر،

---

[1] حکیم الامت نقوش وتأثرات ص ۵۵

حور وقصور پر، ملائکہ پر مضحکہ، شراب کی مدح اور شراب خوری کی ترغیب، اپنی میخواری وحرامکاری پر فخر، ساری عبادت وتقویٰ کی قیمت ایک ساغر کوٹھہرانا، صنم، بت، طفل ترسا، مغبچہ، اس قبیل کے الفاظ کو موقع مدح پر لانا ان خرافات کو مجاز کہہ دینے کی آخر سند کیا ہے؟ کتاب وسنت نے ان اقوال کے قائلوں کو آخر کہاں مستثنیٰ کیا ہے چہ جائیکہ ایسے شاعروں کو بزرگ اور عارف باللہ سمجھنا؟

جواب: شاعری کی کیا تخصیص ہے نثر میں بھی اگر ایسے مضامین ہوں ان سے بھی ایسا ہی انقباض ہونا لوازم ایمان سے ہے مگر جس طرح اس پر انقباض ضروری ہے، اور لوازم ایمان سے ہے اسی طرح قائل کے ساتھ اگر کوئی صریح دلیل خلاف نہ ہو حسن ظن بھی ایسے ہی لوازم سے ہے، سب سے زیادہ منتظم اور دین کے محافظ اور شاعروں کے مقابل گو وہ صوفیہ ہی ہوں فقہاء ہیں، مگر انہوں نے دلائل شرعیہ سے یہ حکم فرمایا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے محمل کفر کے ہوں اور ایک ایمان کا، تو اس کی محمل ایمان ہی پر محمول کریں گے، اور ضرورت اس کی ان کے ایمان کی حفاظت نہیں بلکہ اپنے ایمان کی حفاظت ہے کہ دلائل شرعیہ کی مخالفت نہ ہو جس کی توفیق بلاقصد آپ کو بھی عطا ہوگئی۔[1]

بجائے درود وسلام کے ''صلعم'' لکھنا کافی نہیں معلوم ہوتا

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھنا واجب ہے، اگر کسی نے صرف لفظ ''صلعم'' قلم سے لکھ دیا زبان سے درود وسلام نہیں پڑھا تو میرا گمان یہ ہے کہ واجب ادا نہیں ہوگا۔

مجلس میں چند علماء بھی تھے انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ آج کل لفظ ''صلعم'' پورے درود پر دلالت تامہ کرنے لگا ہے اس لئے کافی معلوم ہوتا ہے،

---

[1] حکیم الامت نقوش وتأثرات ص ۵۷۸

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا اس میں شرح صدر نہیں ہوا، اور اصل بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محسن خلق کے معاملہ میں اختصار کی کوشش اور کاوش ہی کچھ سمجھ میں نہیں آتی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معاملہ میں اختصارات سے کام لینے لگیں تو ہم کہاں جائیں۔

احقر جامع (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) عرض کرتا ہے کہ جہاں تک ضرورت کا تعلق ہے سب سے زیادہ ضرورت اختصار کی حضرات محدثین کو تھی جن کی ہر سطر میں تقریباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا ہے مگر آپ ائمہ حدیث کی کتابوں کا مشاہدہ فرمالیں کہ انہوں نے ہر ہر جگہ نام مبارک کے ساتھ پورا درود وسلام لکھا ہے اختصار کرنا پسند نہیں کیا۔[1]

''صلعم'' لکھنا کافی نہیں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پورا لکھنا چاہئے

فرمایا کہ درود کا مخفف جو لوگ لکھتے ہیں ''صلعم'' یہ مناسب نہیں، گویا یہ درود سے ناگواری اور تنگی کی دلیل ہے، اور اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لکھے اور نہ زبان سے درود پڑھے اور نہ پورا درود کا صیغہ لکھے تو صرف ''صلعم'' لکھنا بالکل ناکافی ہے بلکہ پورا درود لکھنا یا زبان سے کہنا واجب ہے۔

(اسی طرح) پھر بھی ''رضی اللہ عنہ'' کا مخفف ''رضؓ''، جو لوگ لکھتے ہیں اس کے متعلق فرمایا کہ: مراتب کے تفاوت سے شاید کچھ تفاوت پیدا ہو جائے مگر نفس حکم تو مشترک ہے۔

عبرتناک حکایت

ایک مولوی صاحب نے حکایت سنائی کہ جس شخص نے اول اول ''صلعم'' لکھا تھا تو اس نے شب کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مجالس حکیم الامت ص ۲۴۱ مطبوعہ دہلی

نے اس سے فرمایا کہ جیسے تونے میرے درود کو قطع کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کو قطع کرے چنانچہ صبح ہی کوئی واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا ہاتھ قطع کردیا گیا۔

حضرت نے فرمایا کہ جیسا کہ لوگوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درود میں اختصار کرلیا ہے اگر ایسا ہی اختصار کا برتاؤ حضور بھی ہمارے ساتھ کرنے لگیں تو پھر بھلا ہمارا کہاں ٹھکانا رہے۔

میرے نزدیک درود میں ایسا اختصار کرنا مناسب نہیں اور میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں کہ "صلعم" لکھنا کافی نہیں، اس وقت متعدد مشاہیر حضرات اہل علم تشریف رکھتے تھے اور اس مسئلہ میں اظہار رائے فرمارہے تھے، اس وقت فرمایا کہ یہ موقع ادب کا ہے حضور کے حقوق ہم پر بے حد ہیں، میں اس میں زیادہ کاوش کو مناسب نہیں سمجھتا۔[1]

فاضل مسودات کو کیا کرنا چاہئے؟

مولانا عبدالماجد صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ایک بات اور اس وقت دریافت کرنا چاہتا ہوں انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن کے مسودات کا ایک بڑا ذخیرہ کٹا پٹا ہوا جمع ہوگیا ہے، جواب بیکار ہی ہے ایک پوری الماری اس سے لبریز ہے، عرض یہ ہے کہ ان کاغذات کو اب کیا کروں؟

جواب: دفن اولیٰ ہے۔

سوال: ایک خیال یہ دل میں آتا ہے کہ سردست انہیں محفوظ رہنے دوں اور وصیت یہ کرجاؤں کہ میرے غسل میت کے لئے پانی ان ہی کاغذات کو جلاکر گرم کیا جائے، پھر سوئے ادب کا خیال مانع آتا ہے۔

جواب: بیشک سوئے ادب اور ابتذال ہے۔

---

[1] القول الجلیل ص ۳۴ ملفوظ نمبر ۲۰

سوال: امام بخاریؒ سے متعلق یہ روایت پڑھنے میں آئی ہے کہ آپ کے غسل میں آپ کے حسب وصیت آپ کے قلم کے تراشے پانی میں ڈال دیئے گئے تھے۔

جواب: اگر یہ منقول ہو تو اس پر ایقاد (جلانے) کا قیاس مع الفارق ہے۔

سوال: بہرحال اسی قسم کے کسی مصرف میں لانے کا دل چاہتا ہے، اب آگے جیسا ارشاد ہو۔

جواب: اوپر عرض کر چکا ہوں۔[1]

بعض مصنفین کی غایت درجہ تواضع

مرزا صاحب سے رخصت ہوکر جب مولانا غلام یحیٰ لکھنؤ پہونچے تو وہاں کسی استاد شاگرد میں رسالہ قطبیہ کے حاشیہ میں ایک مقام پر اختلاف ہورہا تھا ان کو معلوم ہوا کہ خود مصنف لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں، تو خیال آیا کہ چلو مصنف ہی سے اس کو حل کیا جائے، یہاں جو آئے اور مولانا کو وہ مقام دکھلایا تو کچھ دیر غور کرکے فرمایا کہ میری بھی سمجھ میں نہیں آیا، اللہ اکبر! (تواضع کا کس قدر غلبہ تھا) علوم رسمیہ کو دل سے کیسا نکالا کہ (اس وقت) اپنی تصنیف کو بھی نہ سمجھ سکے۔ (تو صاف اس کا اظہار کردیا، بالکل نہ شرمائے۔)[2]

لمبے چوڑے خطابات اور نسبتوں سے احتیاط

آج کل لوگوں کو یہ خبط بھی ہوگیا ہے کہ جب کوئی کام شروع کریں گے تو اس کے لئے نام بھی کوئی نیا اور نرالا تجویز کریں گے۔

ایک صاحب نے لفافہ پر حضرت کے نام سے پہلے "حضرت الامام" لکھا تھا، ناگواری کے ساتھ فرمایا لوگ نئے نئے لفظ لکھتے ہیں جو امام تھے وہ تو خود کو مقتدی بھی نہ سمجھتے تھے۔

---

[1] حکیم الامت نقوش وتاثرات ص ۵۱۷ [2] وعظ الیسر مع العسر ملحقہ نظام شریعت ص ۳۳۷

ایک طالب علم نے عرض کیا کہ اس کی ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے کہ آج کل لوگوں نے نااہلوں کو حضرت اور مولانا لکھنے کا التزام کر رکھا ہے اور وہ عام ہو گئے ہیں، اب اگر اہل کمال حضرات کے لئے بھی یہی الفاظ لکھے جائیں تو التباس ہوتا ہے اس لئے اعلیٰ الفاظ استعمال کرنا چاہتے ہیں، فرمایا چندروز میں یہ بھی عام ہو جائیں گے، اس نے عرض کیا اور تلاش کر لئے جائیں گے فرمایا وہ بھی عام ہو جائیں گے تو کہاں تک تلاش ہوگی یہ سب تکلف ہے۔[1]

نسبتی نام

فرمایا آج کل نسبتوں کا بہت رواج ہو گیا ہے جیسے فاروقی چشتی وغیرہ مجھے تو برا معلوم ہوتا ہے چاہے تفاخر کی نیت نہ ہو مگر صورت تو ضرور ہے۔[2]

''شیر پنجاب'' اور ''بلبل ہند'' جیسے القاب

آج کل کا زمانہ عجیب طرح کا ہے کہ لوگ ہندوستان اور پنجاب کے جانور بننا چاہتے ہیں، کوئی ''شیر پنجاب'' بنتا ہے کوئی ''طوطیٔ ہند''، کوئی ''بلبل ہند'' لوگ انسان سے جانور بننا چاہتے ہیں، خدا خیر کرے آج تو شیر اور بلبل بنے ہیں کل کوئی ''گاؤ ہند'' اور ''خر ہند'' بھی بننے لگے گا کیا واہیات ہے، خدا نے تم کو انسان بنایا ہے تم چرند پرند کیوں بنتے ہو۔[3]

خادم العلماء والفقراء لکھنا

فرمایا بعض لوگ اپنے کو ''خادم العلماء'' لکھتے ہیں مگر عوام کی طرف سے ایسا لکھا جانا صحیح تو ہے مگر دھوکا ہوتا ہے مولوی ہونے کا۔

---

[1] الفصل للوصل ص ۱۹۰ [2] الفصل للوصل ص ۱۹۷ [3] التبلیغ ص ۱۵۷ ج ۷

اور خادم الفقراء تو لکھنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے، اس کا تو یہ مطلب ہے کہ میں درویش ہوں۔[1]

اشرفی، رشیدی وغیرہ لکھنا

ایک مرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ اپنے نام کے ساتھ رشیدی، قاسمی، خلیلی محمودی لکھنے لگے اور بعضے کوڑی ہو کر اپنے کو اشرفی لکھتے ہیں، اس میں، شائبۂ شرک تو نہیں مگر تحزّب اور پارٹی بندی ہے، اور حنفی اور شافعی لکھنے میں جو حکمت ہے وہ یہاں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں اہل زیغ سے احتراز مقصود ہے یہاں کس سے احتراز مقصود ہے؟ کیا اس جماعت میں بھی تمہارے نزدیک صاحب زیغ ہیں جس سے امتیاز کا قصد کیا جاتا ہے۔

''بامداد اللہ'' اور ''ہوالرشید'' لکھنا

اور افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے اندر بھی ایک شائبہ شرک کا آچلا ہے کہ خطوط میں ''بامداد اللہ'' اور ''ہوالرشید'' لکھتے ہیں، اگر اس سے حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا گنگوہی کے نام سے استعانت وتیمن (برکت) مقصود نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ بعون اللہ اور ہواللہ کو چھوڑ کر امداد اور رشید کا لفظ اختیار کیا گیا، کیا خدا کا نام رشید ہی رہ گیا اور بھی تو بہت سے اسماء ہیں مگر ان میں پیر کے نام کے طرف اشارہ کیوں ہوتا ہے، بس یہی شائبہ شرک ہے گو شرک نہ ہو۔[2]

عقیدہ کا فساد

فرمایا: ایک صاحب کا ایک لفافہ آیا ہے لفافہ کے پتہ کے اوپر لکھا ہے ''امانت شیخ معروف کرخی'' ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسا لکھنے سے وہ چیز محفوظ ہوجاتی ہے۔

---

[1] حسن العزیز ص ۳۸۱ ج ۳ [2] جمال الجلیل ملحقہ جزاوسزا ص ۳۴

مثلاً یہ لفافہ ہی ان صاحب کے خیال میں کہیں گم نہیں ہوسکتا، اس قسم کا عقیدہ صاف شرک ہے، جاہلوں نے بزرگوں کے متعلق اس قسم کی حکایتیں گڑھ رکھی ہیں۔[1]

سیدی ومولائی اور زیادہ عظمت کے القاب سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو طبعی انقباض

ایک صاحب نے خط میں حضرت کو "سیدی ومولائی وملجائی" لکھا تھا، حضرت کو ایسے القابات سے جن میں مبالغہ ہو تعظیم میں نہایت نفرت ہے، اسی لئے ارشاد فرمایا:

سید کہتے ہیں آقا کو، مجھ کو تو آقا بنایا اور اپنے کو غلام، اور غلام کے معنی ہیں کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو، وہ تو مولا کی ملک ہی ہوتا ہے، حالانکہ مرید کہیں غلام تھوڑا ہی ہے، یہ تعظیم میں مبالغہ ہے، اتنی تکلیف قبلہ وکعبہ سے نہیں ہوتی کیونکہ مجاز ہے اور یہ متکلم کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے خواہ ادّعاً ہی ہو۔

عنوانات کے آثار قلب پر محسوس ہوتے ہیں ان القاب سے مجھ کو بہت گرانی ہوتی ہے، میں تکلف کو پسند نہیں کرتا۔

لوگ مجھ کو حضرت حضرت کہا کرتے تھے، مجھ کو ناگوار ہوتا تھا میں نے منع کر دیا، مولوی صاحب کہہ دیں، مولانا صاحب کہہ دیں، سیدی الفاظ وغیرہ سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے باقی میں (ممانعت کا) فتویٰ نہیں دیتا۔

احادیث میں مبالغہ کی ممانعت آئی ہے، جن الفاظ میں (بجائے مجاز کے) حقیقت کی شان ہوتی ہے (جیسے مولائی وغیرہ) ان سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔

اور مولانا اور مولائی میں فرق ہے، مولائی کا لفظ استعمال میں سخت ہے، عرفاً بہت

---

[1] الافاضات الیومیہ ۲۴/۸

تعظیم کے وقت کہا جاتا ہے، حقیقت دیکھنا چاہئے۔[1]

ہم کو تو یہ طرز پسند ہے

فرمایا مولویوں میں یہ نئے نئے لقب کہاں سے گھس آئے ہمارے اکابر بڑے بڑے گذرے ہیں کسی کا کوئی لقب نہ تھا، نہ امام الہند، نہ شیخ الہند، نہ شیخ الحدیث، نہ شیخ التفسیر، نہ ابوالکلام، نہ امیر الکلام محض سادگی تھی، ہم کو تو یہی طرز پسند ہے "شیخ الاسلام" لقب پھر بھی پرانا ہے نئے القاب کی سی اس میں ظلمت نہیں۔[2]

بزرگوں کو "قبلہ وکعبہ" لکھنا

سوال (۳۵۵) بہشتی زیور میں القابِ بزرگان میں قبلہ، کعبہ لکھا گیا ہے اور تذکرۃ الرشید میں مکروہ تحریمی لکھا ہے بدلیل **قولہ علیہ السلام "لا تطرونی الحدیث")** اس کی تاویل کیا ہے؟

الجواب: بلا تاویل مکروہ تحریمی ہے اور بتاویل معنی مجازی کے جائز ہے گو خلاف اولیٰ ہے۔[3]

---

[1] حسن العزیز ص۶۰ ج۳ [2] ملفوظات حکیم الامت ص۴۶۴ ج۱ قسط۴ ملفوظ نمبر۹۲۷

[3] امدادالفتاویٰ ص۳۴۷ ج۴

آداب خط وکتابت

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب
محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

باب ۸

آداب خط وکتابت

خط کا مضمون اوراس کے ضروری اجزاء

خط کے پانچ جزء ہوتے ہیں۔ پہلا جزء القاب وآداب، دوسرا جزء سلام و دعاء تیسرا خیریت پوچھنا اوراپنے یہاں کی خیریت لکھنا، چوتھا جزء اصل مضمون جواس وقت لکھنا ہو، چاہے کچھ پوچھنا ہو یا کسی بات کا جواب دینا ہو، پانچواں جزء دعاء اپنے واسطے بھی اور جس کو خط لکھا گیا ہے اس کے لیے بھی اس کے بعد جسے جسے سلام کہلانا ہواسے بھی لکھ دیجئے! ۱؎

مثلاً اگر باپ کوخط لکھوتو اس طرح لکھو!

''جناب والدصاحب مخدوم ومعظم فرزندان دام ظلکم العالی السلام علیکم بعد تسلیم بصدآداب وتعظیم کے عرض ہے کہ آپ کا والا نامہ آیا، خیریت معلوم ہوکراطمینان ہوا''۔

اس کے بعداور جوکچھ مضمون لکھنا منظور ہولکھ دو، اس میں دام ظلکم العالی تک جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کوالقاب کہتے ہیں، اوراس کے بعدسلام ودعاء جوکچھ لکھا جاتا ہے اس کوآداب کہتے ہیں، اس کے بعد جوحال چاہولکھواس کوخط کا مضمون کہتے ہیں۔ ۲؎

القاب وآداب

جب کسی کوخط لکھنا منظور ہوتو پہلے یہ خیال کرلو کہ وہ تم سے بڑا ہے، یا چھوٹا، یا برابر، جس درجہ کا آدمی ہواسی کے موافق خط میں الفاظ لکھو!

۱؎ بہشتی زیور ۱/۲۳ ۲؎ بہشتی زیور ۱/۳۱

جس کو خط لکھا جاتا ہے پہلے اس (کی ہستی) کو ذہن میں لے لو کہ (وہ کس درجہ کا آدمی ہے) ہمارا اس سے کیا تعلق ہے، جتنا تعلق ہو (اور جس درجہ کا وہ شخص ہو) اسی قدر ادب وتہذیب کے لفظوں میں اسے لکھنا چاہئے، بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گویا ہم خود اس کے سامنے بیٹھے ہوئے زبانی بات کررہے ہیں، پھر جو بات کہنا ادب کے خلاف نہ ہو وہ لکھی جائے، اور جو بے تمیزی وبے ادبی کی بات ہو اور ایسے آدمی سے نہ کہی جاتی ہو وہ نہ لکھو۔

بڑوں کے خط کو والا نامہ، سرفراز نامہ، افتخار نامہ، اعزاز نامہ، صحیفہ گرامی لکھتے ہیں، اور جو شخص بہت بڑا ہو تو اس کو آپ کی جگہ آنجناب، جناب عالی، جناب والا، حضرت والا، لکھتے ہیں، جیسے یہ لکھنا منظور ہو کہ آپ کا خط آیا تو یوں لکھیں گے جناب والا کا سرفراز نامہ آیا، اور آیا کی جگہ یوں لکھتے ہیں سرفراز نامہ صادر ہوا۔ سرفراز نامہ نے مشرف فرمایا، اور چھوٹے کے خط کو مسرت نامہ، راحت نامہ لکھتے ہیں، اور برابر والے کے خط کو عنایت نامہ، کرم نامہ لکھتے ہیں۔[1]

ضروری تنبیہ

شروع شروع میں خط لکھ کر اپنے استاذ یا بڑوں کو دکھالیا جائے، جو بات اصلاح کی ہوگی وہ اس کی اصلاح کردیں گے اور پھر آئندہ اس کا خیال رکھا جائے کہ ایسی بات کبھی نہ لکھی جائے اور جو بات بتائیں اس کا خیال بھی رکھنا چاہئے، الغرض جو اصلاح کی گئی ہے اس پر خوب غور کرنا چاہئے کہ جو بات گھٹائی یا بڑھائی ہے وہ کیوں گھٹائی یا بڑھائی ہے تاکہ آئندہ اس جیسی باتوں سے احتیاط ہوسکے۔[2]

---

[1] بہشتی زیور ۱/۲۳۱ [2] بہشتی زیور جلد: ۱

مضمون اور انداز بیان کیسا ہونا چاہئے؟

۱- خط آدھی ملاقات شمار کیا جاتا ہے اور ملاقات میں محبت وتعلق کی اور خوش کرنے والی باتیں ہوں تو ملنے کو بھی جی چاہتا ہے ورنہ نہیں بس ایسے ہی خط میں سمجھ لیجئے کہ اگر لفظ سے تعلق محبت اور مسرت وخوشی ٹپکتی ہو تو خط خط ہے نہیں تو کچھ نہیں۔

۲- اور اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے کہ خط کے کسی لفظ سے بھی کسی کو رنج اور تکلیف نہ پہنچے، اس کی پہچان کی اچھی صورت کہ کس لفظ سے رنج پہنچتا ہے اور کس سے نہیں یہ ہے کہ خود غور کرنا چاہئے کہ اگر کوئی ہم کو ایسا خط لکھتا جیسا ہم لکھ رہے ہیں اور ہم کو اس سے وہی مرتبہ حاصل ہوتا جو خط والے کو ہم سے ہے تو یہ بات ہم کو ناگوار ہوتی یا نہیں، بس جو بات ناگوار معلوم ہونے کی ہو اسے ہرگز خط میں نہ لکھا جائے۔

۳- ہنسی مذاق میں بھی ایسی باتیں جس سے دوسرے کی ذلت ہوتی ہو ہرگز ہرگز نہ لکھنی چاہئے چاہے اس سے کتنی ہی بے تکلفی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ نہ معلوم خط کس کے ہاتھ میں پڑ جائے، دوسرے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اسے مذاق نہیں سمجھتا بلکہ سچ مچ کا لکھا سمجھ جاتا ہے تو اس کے دل میں تمہاری طرف سے برائی بیٹھ جاتی ہے۔

۴- جواب میں اگر کسی بات کا انکار کرنا ہو تو بہت نرم نرم لفظوں میں اپنا عذر بیان کر دینا چاہئے کہ جس سے مجبوری ظاہر ہوتی ہو، اور سوال کرنے والے کا اس سے دل نہ ٹوٹے بلکہ کوئی بہت بڑی بات ہو تو پہلی دفعہ لکھ دیا جائے کہ غور کر کے جواب لکھا جائے گا، پھر دوسرے خط میں عذر لکھ دیا جائے تو اک دم سے دل نہ ٹوٹے گا۔ (بہشتی زیور ۱/۳۲)

رسم الخط اور انداز تحریر

خط کی عبارت بہت بنا سنوار کر لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی لکھئے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ گویا ویسے ہی آمنے سامنے بیٹھے باتیں ہو رہی ہیں، بعض آدمی ایسا گھسیٹ گھسیٹ کر خط لکھتے ہیں کہ دو چار دن کے بعد ان ہی سے پڑھوایا جائے تو شاید ان سے بھی نہ پڑھا جائے، بھلا یہ تو سوچنا چاہئے کہ اگر خط نہ پڑھا گیا تو خط بھیجنے سے کیا فائدہ ہوا، اس لیے خط بہت کھلے کھلے لفظوں میں الگ الگ ایک ایک حرف لکھنا چاہئے۔

ہاں اگر جس کے پاس خط بھیجا جاتا ہے اسے تمہارے خط پڑھنے کی عادت ہو گئی ہے تو چلتا ہوا لکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی ایسا تو ہو کہ ہر حرف پڑھا جا سکے۔[۱]

مکتوب الیہ جس زبان سے واقف ہو اسی زبان میں خط لکھنا چاہئے

بعض آدمیوں کو شوق ہوتا ہے کہ خط میں انگریزی، عربی، فارسی کے الفاظ ٹھوس دیتے ہیں چاہے مکتوب الیہ (یعنی وہ شخص جسے خط لکھا جا رہا ہے) کچھ بھی نہ جانتا ہو، یہ بھی اچھا نہیں بلکہ خط مکتوب الیہ کی لیاقت کے موافق لکھنا چاہئے جسے وہ خوب سمجھ سکے۔[۲]

آج کل مولویوں کو حقیر سمجھنے کا مرض عام ہو گیا ہے۔

ایک صاحب کا انگریزی میں خط آیا ہے اور حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں انگریزی نہیں جانتا، اس کا سبب وہی تحقیر ہے، ورنہ کیا اتنی رعایت بھی ضروری نہ سمجھتے؟ میں نے بھی ان کو عربی میں جواب لکھا، تا کہ ان کو بھی معلوم ہو کہ ہماری رعایت نہیں کی گئی، پھر ان صاحب کا خط آیا کہ گستاخی ہوئی کہ میں نے انگریزی میں عریضہ لکھ کر روانہ کیا، دماغ سیدھا ہو گیا۔[۳]

---

۱ بہشتی زیور ۲ بہشتی زیور ۳۴/۱ ۳ الافاضات الیومیہ ۴۴/۵

اپنے بڑوں اور بزرگوں کے خطوط میں عبارت آرائی وشعر شاعری نہیں کرنا چاہئے

جس کو اپنے سے بڑا سمجھے اس کے ساتھ خط وکتابت میں عبارت آرائی کرنا ادب کے خلاف ہے۔[1]

بزرگوں کو جو خطوط لکھے جائیں ان میں اشعار کا لکھنا ادب کے خلاف سمجھتا ہوں، ہاں بطور جوش کے نکل جائے تو دوسری بات ہے، قصداً ایسا کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ان کو اشعار سے متاثر کر کے کام نکالنا چاہتے ہیں، نیز اس میں اپنی لیاقت کا اظہار بھی ہے، طالب کا کوئی فعل اپنے معلم ومربی کے ساتھ ایسا نہ ہونا چاہئے (جس میں اپنی قابلیت کا اظہار ہو)۔[2]

بعض لوگوں کو اجنبی الفاظ برتنے کا شوق ہوتا ہے سمجھتے ہیں کہ تبحر (یعنی علامہ ہونے) کی دلیل ہے، مانوس الفاظ برتنا چاہئے۔[3]

مولانا یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دو باتیں مجھے ناپسند ہیں، ایک تو تقریر میں لغت بولنا، دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا، تحریر وتقریر سے مقصود تو افہام (سمجھانا) ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔[4]

اپنے بڑوں کے پاس عربی میں خط لکھنا

ایک صاحب نے مجھ کو عربی میں خط لکھا اور اپنی اصلاح کی درخواست کی، میں نے لکھ دیا کہ مفید کا مستفید سے اکمل (یعنی فیض پہنچانے والے کو فیض حاصل کرنے والے سے زیادہ کامل) ہونا ضروری ہے، میں عربی میں اچھی طرح لکھ نہیں سکتا آپ لکھ سکتے ہیں۔

---

[1] انفاس عیسیٰ ۱/۱۸۸ [2] ملفوظات اشرفیہ ۱/۲۷۷ [3] انفاس عیسیٰ ۲/۳۵۰ [4] حسن العزیز ۲/۲۵۲

ایک صاحب نے اس کی توجیہ میں یہ لکھا کہ عربی اہل جنت کی زبان ہے اور محبوب زبان ہے اس لیے عربی میں لکھا ہے تو میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ عربی میں خط لکھنے کی یہی نیت تھی؟ اور اگر واقعی یہی سبب ہے تو جب یہاں آئیں گے تو کیا گفتگو بھی عربی ہی میں کرو گے؟ بس ٹھیک ہو گئے۔[1]

ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر کوئی ایسی عبارت بے تکلف لکھ سکتا ہو؟

فرمایا: تب بھی ایسے تکلف کو قصداً ترک کرنا چاہیے اس لیے کہ **من تشبه بقوم فهو منهم** (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا شمار انہیں لوگوں میں ہوگا)، تکلف کرنے والوں سے تشبہ تو ہوا اس لیے منع کیا جائے گا خاص کر جب ایسا تکلف اس کے مصلح کو ناگوار بھی گزرتا ہو۔[2]

خط ہمیشہ صاف اور واضح لکھنا چاہیے

فرمایا: خط ہمیشہ صاف لکھنا چاہیے، بعض لوگ ایسا بدخط لکھتے ہیں کہ پڑھا ہی نہیں جاتا، ایسے خط کو پڑھانے کے لیے کیا کمیٹی کرتا پھروں حالانکہ اگر ذرا سنبھال کر لکھیں تو صاف لکھ سکتے ہیں، لیکن لوگوں کو اس کا اہتمام ہی نہیں کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔[3]

ہمارے بزرگوں کے خط نہایت صاف تھے، مولانا محمد قاسم کا خط تو نہایت صاف تھا، نقطے وشوشے تک سب پورے ہوتے تھے۔[4]

مناسب کاغذ اور عمدہ روشنائی سے خط لکھنا چاہیے

ایسے کاغذ پر یا ایسی روشنائی سے مت لکھو کہ حروف پھیل جائیں، یا دوسری طرف چھن جائیں، کہ پڑھنے میں دقت ہو، اور نہ ہی بہت موٹا کاغذ لو کہ بے فائدہ وزن بڑھ جانے سے محصول بڑھ جائے۔[5]

---

[1] الفصل للوصل ص:۱۸۶، مطبوعہ تھانہ بھون [2] القول الجلیل ص:۳۸ [3] حسن العزیز ۲۵۴/۱
[4] حسن العزیز: ۲۵۲/۲ [5] بہشتی زیور ۴۹/۱۰

عمدہ سیاہی اور قلم سے خط لکھنا چاہیے

ایک صاحب نے بالکل پھیکی سیاہی سے خط لکھا کہ مشکل سے پڑھا جاتا تھا، حضرت نے اس کو واپس کردیا کہ پڑھا نہیں جاتا، گونہایت غور سے اگر پڑھا جاتا تو پڑھا جاسکتا تھا لیکن فرمایا کہ ہم کیوں زحمت برداشت کریں جس کو دوسرے سے کام لینا ہو اس کو چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے دوسرے کو سہولت دے۔[1]

خط کا مضمون بہت لمبا نہیں ہونا چاہیے

فرمایا: لمبے خطوط کے جواب میں اکثر تاخیر ہوجاتی ہے، پریشانی بھی ہوتی ہے، چھوٹے چھوٹے خطوط زیادہ تعداد میں ہوں تو ان کا جواب لکھنا دشوار نہیں، عرصہ کے بعد لمبے لمبے خط لکھنے سے یہ بہتر ہے کہ جلد جلد لکھیں لیکن مختصر مختصر، اس طرز میں نفع زیادہ ہے۔[2]

بہت زیادہ اختصار بھی نہ ہونا چاہیے

خطوط کا مختصر جواب لکھنا بہت مشکل کام ہے کیونکہ اس میں اختصار کے ساتھ یہ اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ خط کا کوئی حصہ بلا جواب نہ رہ جائے۔[3]

اور بہت زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے گویا سائل کی کوئی وقعت ہی نہیں، تو جہاں وقعت کی رعایت مطلوب ہو وہاں زیادہ اختصار نہ کیا جائے۔[4]

اور جس کو اپنا بڑا سمجھے اس کے خطاب میں بہت تنگ عبارت نہ اختیار کرے۔[5]

---

[1] کمالات اشرفیہ ص:۱۵٦ [2] حسن العزیز ٦/۱۸۳ [3] الکلام الحسن ص:۱۴۸
[4] الکلام الحسن ص:۱۴۸ [5] الافاضات الیومیہ ۷/۴۵۹

حضرت تھانویؒ کی بیدار مغزی

اگر کسی مقام سے متعدد خطوط مختلف لوگوں کے آتے ہیں تو حضرت والا اس کا خاص اہتمام فرماتے ہیں کہ سب کے جواب ایک ہی (روز) ڈاکخانہ میں روانہ ہوں تاکہ وہاں پہنچنے میں تقدیم وتاخیر نہ ہو اور ایک کو دوسرے پر ناز کرنے کا موقع نہ ملے، نہ کسی کی دل شکنی ہو، نیز اگر ایک ہی مقام سے متعدد خطوط مختلف لوگوں کی طرف سے ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے آتے ہیں، تو ان کا کوئی خاص اثر نہیں لیتے بلکہ تحقیق فرماتے ہیں، چنانچہ جلد ہی ایک مقام سے چھ خط ایک ہی ڈاک میں موصول ہوئے تو ان میں سے ہر خط پہ یہ استفسار فرمایا کہ آج کی ڈاک میں چھ خط ایک ہی مقام کے ہیں کیا کسی نے ترغیب دے کر لکھوایا ہے؟ یا آپس میں سازش ہوئی ہے۔؟[۱]

لکھنے کے بعد خشک کرنے کے لیے مٹی استعمال کرنے کا فائدہ

فرمایا: بجائے جاذب کاغذ (سوختہ) کے مسنون طریقہ یہ ہے کہ مٹی استعمال کرے، اور اس میں دو فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ بعض دفعہ جاذب سے حروف بگڑ جاتے ہیں اور مٹی ڈالنے سے سالم رہتے ہیں، دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ طریقہ موجب برکت بھی ہے، کیونکہ اس میں انکساری (تواضع) اور اظہار عبدیت ہے۔[۲]

خط لکھنے کا طریقہ

۱- اگر کسی کے خط کا جواب ہو تو اس کا خط سامنے رکھ لیا جائے، تاکہ جس جس بات کا جواب ضروری ہے وہ چھوٹ نہ جائے۔

۲- خط میں جتنی باتیں پوچھنی ہوں یا جتنی باتوں کا جواب لکھنا ہو ان پر اگر نمبر

---

[۱] اشرف السوانح ص:۷ [۲] مقالات حکمت ص:۳۸ قسط:۷۵

ڈال کر لکھ دیا جائے تو اچھا ہے تا کہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

۳- خط لکھنے کے بعد پھر ایک دفعہ غور سے پڑھا جائے تا کہ جو لفظ چھوٹ گیا ہو وہ لکھ دیا جائے اور جو بات دلخراش، ناگوار یا بے تمیزی (بے ادبی) کی قلم سے نکل گئی وہ کاٹ دی جائے، یا کچھ پوچھنا یا جواب دینا رہ گیا ہو تو وہ بھی لکھ دی جائے۔

۴- خط کے شروع میں یا اخیر میں اپنا نام اور پورا پتہ ضرور لکھ دینا چاہئے کبھی کبھی پہلا خط گم ہو جاتا ہے تو جواب دینے والے کو دقت ہوتی ہے اور تم کو خط کا انتظار رہتا ہے اور جواب نہ آنے سے طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور فکر ہوتی ہے بلکہ بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

۵- ہر خط کے اخیر یا شروع میں تاریخ مہینہ اور سنہ بھی لکھنا ضروری ہے، بہت دفعہ اس کی ضرورت پڑتی ہے اور تاریخ نہ ہونے سے بہت دقت ہوتی ہے۔[۱]

متعلقین کو سلام و دعا لکھنا اور ان کی خیریت معلوم کرنا

۶- خط کے اخیر میں کبھی کبھی دوسروں کو سلام و دعا لکھا جاتا ہے اور خیریت پوچھی جاتی ہے، یہ بات بہت اچھی ہے، اس سے ان سب کے دل میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنی دور بیٹھے بھی ان کو ہمارا خیال ہے تو اس سے ان سب کو محبت پیدا ہوتی ہے، یہ خوش اخلاقی کی بات ہے ضرور کرنا چاہئے۔[۲]

---

۱ بہشتی زیور ۱/۳۴ ۲ حسن العزیز ۲/۱۱۷

اپنے بڑوں کے واسطہ سے کسی کو پیغام یا سلام ودعا کہلانا بے ادبی ہے

اگر خط بڑوں کو لکھا جائے تو ان کے خط میں لکھنا کہ فلاں فلاں سے سلام کہہ دیجئے یہ بے ادبی اور گستاخی ہے، ان پر حکم چلانا ہے، اچھا طریقہ یہ ہے کہ یوں لکھئے کہ ''فلاں صاحب اگر خط دیکھیں تو سلام قبول کریں'' ہاں اگر ان سے بہت بے تکلفی ہو تو بہت ادب کے لفظوں میں لکھ دینے کا مضائقہ نہیں ہے، چھوٹوں یا برابر والے بے تکلف لوگوں کو لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

ایک ہی خط میں دو قسم کے مضامین نہیں ہونا چاہئے

فرمایا: ایک ہی خط میں لوگ ہر قسم کے مضامین ٹھونس دیتے ہیں (ایسا نہیں کرنا چاہئے) ہم تو جب جانیں کہ دو کاشتکاروں کی نالش ایک ہی درخواست میں کردیں۔[2]

ایک صاحب نے اوراد ووظائف اور اصلاح اخلاق دونوں کے متعلق ایک ہی خط میں سوالات کئے، حضرت والا نے جواب دیا کہ ایک خط میں دو مضمون نہیں لکھنا چاہئے۔

کسی خط میں اگر دو مختلف مضمون ہوتے ہیں یعنی مسائل (استفتاء) بھی اور باطنی حالات بھی تو پریشانی ہوتی ہے، گڈمڈ کرنے سے قلب کو تکلیف ہوتی ہے، چونکہ مسائل فقہیہ ضروری ہوتے ہیں اس لیے صرف مسائل کا جواب لکھ دیتا ہوں اور کبھی سینہ پر پتھر رکھ کر دونوں کا جواب لکھ دیتا ہوں مگر تکلیف بہت ہوتی ہے۔[3]

---

[1] الافاضات الیومیہ ۷/۴۵۹ [2] حسن العزیز ۲/۱۷۷ [3] حسن العزیز ۱/۵۵۷

ہر بات علیحدہ علیحدہ واضح کر کے لکھنا چاہیے

فرمایا: جو آج کل جاہلوں کی عادت ہے کہ تحریر میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ پہلا مضمون ختم ہو گیا اور اب دوسرا شروع ہو رہا ہے، بلکہ (ایک ساتھ گڈ مڈ کر کے) دوسرا مضمون شروع کر دیتے ہیں یہ بڑی واہیات بات ہے، اس طرح گڈ مڈ کرنے سے قلب کو تکلیف ہوتی ہے (ہر بات علیحدہ ہونا چاہیے، جب ایک بات پوری ہو جائے تو دوسری بات نئی سطر سے شروع کرنا چاہیے)۔[1]

جواب کے لیے حاشیہ پر جگہ ضرور چھوڑ دینا چاہیے

فرمایا: خط کے اندر برابر میں تھوڑی سی بھی جگہ خالی ہو تو بڑا آرام رہتا ہے، ساتھ ہی ساتھ جواب ہو جاتا ہے۔[2]

اکثر لوگ خطوط میں کوئی حاشیہ جواب کے لیے نہیں چھوڑتے، یہ بڑا ظلم ہے۔ سخت تکلیف اور دقت ہوتی ہے، ہر صفحہ پر کم از کم ایک ثلث حاشیہ چھوڑ کر لکھنا چاہیے تا کہ سوال ہی کے ساتھ جواب لکھا جا سکے، علیحدہ جواب لکھنے میں مطلب بھی اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔[3]

کاغذ بھی احتیاط سے موڑ کر رکھنا چاہیے

فرمایا: میں یہاں تک خیال رکھتا ہوں کہ لفافہ میں جو کاغذ رکھتا ہوں اس میں بھی اس کا خیال رہتا ہے کہ کہیں نشیب وفراز (یعنی ٹیڑھا بدنما) نہ رہے، مناسبت کے ساتھ کاغذ موڑ کر رکھتا ہوں، جی چاہتا ہے کہ میری حرکت سے کسی کو ذرا بھی الجھن نہ ہو۔[4]

---

[1] الافاضات الیومیہ ۶/۳۸۹ [2] حسن العزیز ۱/۵۱۳ [3] حسن العزیز ۱/۵۱۴ [4] الافاضات الیومیہ ۴/۵۷۲

کارڈ لکھنا چاہئے یا لفافہ

اگر کارڈ کے مناسب مضمون ہو جیسے خیریت دریافت کرنا، دعاء کی درخواست تو کارڈ بھیج دیں، اور اگر لفافہ کا مضمون ہو جیسے کسی شرعی حکم کا سوال، یا اصلاح کے متعلق استفسار تو لفافہ بھیجیں۔[1]

دستی پرچوں کی زیادہ اہمیت نہیں

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ضروری مضمون جس کا جواب بھی مطلوب ہوتا ہے اس کو بھی ڈاک سے نہیں بھیجتے، یوں ہی خواہ مخواہ کسی آنے جانے والے کے ہاتھ بھیج دیتے ہیں، اس کے متعلق فرمایا کہ دستی خط کی میرے دل میں کچھ بھی قدر نہیں ہوتی۔ اور سمجھتا ہوں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر ان کو ضرورت ہوتی تو پیسے خرچ کر کے ڈاک میں بھیج دیتے۔[2]

(البتہ دستی خط دے کر اسی مقصد کے لیے کسی کو بھیجا جائے تو واقعی وہ قابل توجہ اور لائق جواب ہوتا ہے (مرتب)۔

اپنی ضرورت کے لیے جوابی خط لکھنا چاہئے

فرمایا: میں اپنے شاگردوں کو بھی اگر اپنے کام کے لیے خط لکھتا ہوں تو جوابی خط لکھتا ہوں یہ سمجھ کر کہ اس بے چارہ کو تو یہی ایک بار بہت ہے کہ جواب لکھے گا چہ جائیکہ ٹکٹ (یا جوابی خط) کا بار بھی اس پر ڈالا جائے، اپنے کام کے واسطے خط اور ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالنا خلاف عقل بھی ہے، بعض محبین مجھ سے اس کی شکایت بھی کرتے ہیں کہ ہم کو جوابی کارڈ کیوں بھیجا؟ میں کہتا ہوں کہ بھائی یہی اچھا ہے مجھے ہلکا پھلکا ہی رہنے دو۔[3]

---

[1] الافاضات الیومیہ ۱/۲۱۹ [2] مقالات حکمت ص: ۲٦۵ [3] کمالات اشرفیہ ص: ۱۲٦ قسط: اول

جوابی خط میں پتہ لکھنے کی تاکید

خطوط میں اپنا نام شروع میں لکھنا چاہیے

فرمایا: میرے پاس ڈاک کثرت سے آتی ہے لیکن جتنی دقت پتہ لکھنے میں ہوتی ہے خط کے جواب لکھنے میں نہیں ہوتی، کیونکہ بعض لوگ تو پتہ خط کے شروع میں لکھ دیتے ہیں بعض لوگ درمیان میں لکھ دیتے ہیں بعض اخیر میں لکھتے ہیں، بعض ایسا کرتے ہیں کہ لفافہ پر کچھ پتہ لکھتے ہیں اور خط کے اندر اس کے خلاف، بعض پتہ ہی لکھنا بھول جاتے ہیں، بعض لوگ میری یاد پر بھروسہ کر کے کہ کسی پہلے خط کا لکھا ہوا یاد ہوگا نہیں لکھتے بعض لوگ اس طرح لکھتے ہیں کہ پڑھا نہیں جاتا۔

مناسب یہ ہے کہ ایک لفافہ پر اپنا پتہ لکھ کر خط کے اندر رکھ دیں۔

میرا خیال ہے کہ ایک پرچہ چھپوا کر سب دوستوں کے پاس بھیج دوں (کہ سب لوگ اس کا لحاظ رکھیں)۔

اور اگر خط ہی میں لکھا جائے تو نام اور پتہ شروع ہی میں لکھے، نام شروع میں لکھنا حدیث شریف سے ثابت ہے، اس زمانہ میں چونکہ ڈاکخانہ نہیں تھا، اس لیے پتہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔[1]

فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ روزانہ کی ڈاک اسی دن پوری ہو جائے، آج کا کام کل پر نہ رہے کیونکہ اگلے دن پھر دوسری ڈاک آجاتی ہے اور یہ صورت مختصر ہی جوابات میں ہوسکتی ہے لیکن الحمدللہ میرے جوابات اختصار کے باوجود کافی ہوتے ہیں، کسی سوال کے جزء کا جواب رہ نہیں جاتا۔[2]

---

[1] اشرف المعمولات ص:۳۰ [2] ذم النسیان ص:۱۵

پتہ وغیرہ بہت صاف لکھنا چاہیے

مناسب ہے کہ خط میں اپنا پورا پتہ اور نشان صاف صاف لکھے تا کہ اشتباہ نہ ہو۔[1]

پتہ بہت ہی صاف لکھو یہاں کا بھی اور وہاں کا بھی، پورے پورے حروف ہوں نقطے اور شوشے سب ہوں، ورنہ بعض دفعہ بڑی دقت ہو جاتی ہے، کبھی تو خط نہیں پہنچتا اور کبھی جواب بھیجنے کے وقت پتہ نہیں پڑھا جاتا تو جواب نہیں آ سکتا۔

اور ہر خط میں اپنا پورا پتہ لکھا کرو، شاید دوسرے کو یاد نہ رہے اور پہلا خط بھی حفاظت سے نہ رہے۔[2]

جواب کے لیے لفافہ ہی رکھنا چاہیے

فرمایا: ایک صاحب کا خط آیا ہے اور جواب کے لیے لفافہ رکھنے کے بجائے ٹکٹ رکھ دیئے ہیں، میں اس پر اکثر شکایت لکھا کرتا ہوں کہ ٹکٹ رکھنے کے بجائے اگر لفافہ رکھ دیتے تو مجھ کو پریشانی نہ ہوتی، اس لیے کہ بعض اوقات ٹکٹ گر جاتا ہے اس کی تلاش میں تکلیف ہوتی ہے، ان صاحب کو بھی یہی لکھا، وہ صاحب اس کے جواب میں ٹکٹ بھیجنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ وزن زائد ہو جانے کی وجہ سے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔

میں نے لکھا یہ عذر عجیب ہے، وزن کر کے دیکھ لیا ہوتا، پھر لکھتے ہیں کہ لفافہ نہیں تھا میں نے لکھا کہ موجود کرنے سے موجود ہو سکتا تھا، کچھ نہیں اصل بات یہ ہے کہ اس کی پرواہ ہی نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔[3]

---

[1] حسن العزیز ۱/۵۱۳ [2] بہشتی زیور ۱/۴۹، اختری [3] الافاضات الیومیہ ۸/۲۴۳۱

جوابی لفافہ میں ٹکٹ وغیرہ خود لگا کر پتہ صاف لکھنا چاہیے

ایک صاحب نے سادہ لفافہ مع پتہ کے جواب کے لیے بھیجا لیکن ٹکٹ اس پر چسپاں نہ کئے بلکہ علیحدہ رکھ دیئے، (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) فرمایا کہ دیکھئے یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ٹکٹ بھی لگا دیں، بعض مرتبہ ٹکٹ ہوا میں اڑ جاتے ہیں اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں، بعض مرتبہ محض اس شبہ کی بنا پر کہ شاید ٹکٹ بھی بھیجا ہو مجھے اپنے گھر سے لگانے پڑتے ہیں، یہ سب تکلیف پہنچانے کی باتیں ہیں، کوئی ان سے پوچھے کہ ٹکٹ لفافہ پر چسپاں کیوں نہ کر دیئے، مجھ کو خواہ مخواہ تکلیف ہوئی، اور ان کی اس میں کوئی مصلحت نہیں۔[1]

غیر جوابی خطوط کا بیرنگ بنا کر جواب نہ دینا

حضرت والا غیر جوابی خطوط یا لفافہ کے جواب نہیں دیتے ایک صاحب نے عرض کیا کہ وہ جواب کا منتظر ہوگا بیرنگ بھیج دیا کیجئے، فرمایا کہ میں پہلے ایسا ہی کیا کرتا تھا لیکن بعضوں نے واپس کر دیا تھا پھر محصول (جرمانہ) مجھ کو اپنے پاس سے دینا پڑا جب یہ احتمال ہے تو میں کیوں نقصان برداشت کروں، ان صاحب نے عرض کیا کہ اپنا نام نہ لکھا کیجئے، فرمایا کہ اس صورت میں اگر اس نے واپس کیا تو سرکار کا نقصان ہے، سرکار کا نقصان کرنا کہاں سے جائز ہے۔[2]

---

[1] حسن العزیز ۱/۵۱۶ [2] کمالات اشرفیہ ۴/۸۹

اس شبہ کا جواب کہ علماء ومشائخ خطوط کے جوابات دینے میں کوتاہی کرتے ہیں

(علماء ومشائخ اور بزرگان دین پر) ایک یہ شبہ ہے کہ وہ خط کا جواب نہیں دیتے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ سب پر تو یہ اعتراض غلط ہے، آپ اگر کام کرنے والوں کو دیکھیں تو آپ تعجب کریں گے ایک ایک آدمی اتنا کام کیسے کرتا ہے (اس کے باوجود ہمارے اکابر مثلاً) حضرت مولانا گنگوہیؒ کتنی پابندی سے خط کا جواب دیتے تھے، ایک بار میں نے کچھ سوالات لکھ کر بھیجے تھے اور اس وقت حضرت آشوبِ چشم میں بیمار تھے لیکن اس حالت میں نہایت تکلیف اٹھا کر سب کا جواب لکھا اور غالباً بیس تیس سوال تھے۔

پھر بھی اگر ایسے بزرگوں کے پاس سے جواب نہ آئے تو یا تو اصل خط ان کے پاس نہیں پہنچا یا ان کا لکھا ہوا جواب ضائع ہو گیا یا پھر اصل خط کے ساتھ آپ نے جواب کے لیے جوابی لفافہ نہ رکھا ہوگا، سو اگر خود ہی (لفافہ بھیجیں یا) ٹکٹ لگائیں تو کہاں تک لگائیں، مثلاً اگر کسی کے پاس روزانہ سولہ خط کا اوسط ہوا اور وہ اپنے پاس سے ٹکٹ لگا کر جواب دے تو پندرہ روپئے ماہانہ خاص اسی مد میں اس کو خرچ کرنا پڑے، تو اول تو اہل علم کو اتنی وسعت نہیں، پھر اگر کسی کو وسعت بھی ہو تو ہمت مشکل ہے جب کہ ایسا کرنا فرض وواجب بھی نہ ہو۔

اور اگر بیرنگ بھیجیں تو تجربہ ہوا ہے کہ بہت لوگ بیرنگ جواب واپس کر دیتے ہیں بعض واپس تو نہیں کرتے مگر ڈاکیہ کو دیکھ کر خود ہی چل دیتے ہیں، جب ڈاکیہ کو نہیں ملتے تو وہاں سے خط واپس آتا ہے اور دوگنا محصول دینا پڑتا ہے، آخر کس قاعدہ سے ان پر واجب ہے کہ وہ اتنا بڑا بار اپنے اوپر اٹھائیں، البتہ خصوصیت کی جگہ ہر شخص بآسانی اس قسم کے بار کو اعتدال کے ساتھ برداشت کرتا ہی ہے۔ (حقوق العلم ص:۴۳)

خطوط کے جوابات جلد ہی دے دینا چاہئے

حضرت تھانویؒ کا معمول اور یومیہ خطوط لکھنے کی مقدار

(حضرت تھانویؒ کی خدمت میں) ڈاک آئی تو جوابات لکھنے شروع فرمادیئے اور فرمایا کہ خطوط کا جواب رفع انتظار کے لیے (یعنی جواب کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے اس لیے) جلد ہی لکھ دیا کرتا ہوں حتیٰ کہ جن سے کچھ اختلاف ہے ان کے لیے بھی جلدی ہی جواب لکھنے کو جی چاہتا ہے۔[1]

فرمایا: ڈاک کے خطوط مختلف تعداد میں آتے ہیں ہفتہ یا مہینہ کے کبھی جوڑے نہیں گئے مگر میرا انداز یومیہ پچیس تیس کا اوسط ہے، کبھی کبھی پینتالیس تک گئے ہیں، الحمدللہ روزانہ جواب لکھنے کی کوشش کرتا ہوں ورنہ بہت بار اور انبار ہو جائے۔[2]

فرمایا: آج بحمداللہ میں فتاوی کا جواب لکھ کر فارغ ہو گیا چھبیس خط تھے، اور ہر خط میں قریب قریب چار پانچ سوال رکھ لیجئے، ۷۵-۸۰ کے قریب سوالات ہوئے، خدا کے فضل سے ڈیڑھ گھنٹے میں جوابات ہو گئے، میرا جی یہ چاہتا تھا کہ عید سے پہلے فارغ ہو جانا چاہئے، عید کے روز کوئی بار نہ ہو۔[3]

خط پڑھ کر اس کا جواب لکھ دینے کے بعد کیا کرنا چاہئے

فرمایا: جب خط کا جواب لکھ چکو (پڑھے ہوئے ردّی خط) کو چولہے میں جلا دو، اس میں ایک تو کاغذ کی بے ادبی نہ ہوگی، مارا مارا نہ پھرے گا۔

---

[1] الفصل للوصل ص:۱۹۹ [2] کلمۃ الحق ص:۱۷۱ [3] الافاضات الیومیہ ۲/۴۱

دوسرے خط میں ہزاروں قسم کی باتیں ہوتی ہیں، خدا جانے کس کس آدمی کی

نظر پڑے۔ اپنے گھر کی بات دوسری جگہ پہنچے، البتہ اگر کسی خاص وجہ سے کوئی خط چند روز کے واسطے رکھنا ہی ضروری ہو تو اور بات ہے مگر رکھو تو حفاظت سے۔ صندوقچی وغیرہ میں رکھو، مارا مارا نہ پھرے۔[1]

آج کل اخبار ورسائل کی فراوانی ہے، ان میں قرآنی آیات، احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں، غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، اللہ کی پناہ! معلوم ہوتا ہے اس وقت دنیا جن عالم گیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔[2]

گول مول بات اور فضول باتوں کا جواب نہیں دینا چاہئے

فرمایا: میرا تو قاعدہ ہے کہ اگر کسی خط کی عبارت ایسی ہوتی ہے کہ کئی معنی کی محتمل ہو تو میں لکھ دیتا ہوں کہ عبارت واضح لکھو اور جو فضول بات ہوتی ہے میں اس کا جواب ہی نہیں دیتا۔[3]

---

[1] بہشتی زیور ۱۰/۱۰۸ [2] مجالس حکیم الامت ص: ۲۸۶ [3] حسن العزیز ص ۶۵ ج ۳

فصل

خط وکتابت سے متعلق چند ضروری اہم ہدایات

۱- ہر خط کے شروع یا اخیر میں تاریخ اور مہینہ اور سنہ ضرور لکھا کرو۔

۲- اگر کوئی پوشیدہ بات لکھنا ہو تو پوسٹ کارڈ مت لکھو۔

۳- گھسیٹ کر اور کٹے ہوئے اور نقطے چھوڑ چھوڑ کر کبھی مت لکھو۔

۴- الجھے ہوئے اوپر نیچے چڑھے ہوئے حروف مت لکھو۔

۵- پتہ صاف لکھو یہاں کا بھی اور وہاں کا بھی، پورے پورے حروف ہوں نقطے اور شوشے بھی ہوں ورنہ بعض دفعہ بڑی دقت پیش آتی ہے کبھی تو خط نہیں پہنچتا اور کبھی جواب بھیجنے کے وقت پتہ نہیں پڑھا جاتا، تو جواب نہیں آسکتا۔

۶- اور ہر خط میں اپنا بھی پورا پتہ لکھا کرو، شاید دوسرے کو یاد نہ رہے اور پہلا خط بھی حفاظت سے نہ رہے۔

۷- خط الٹ پلٹ مت لکھو کہ دوسرا یہی ڈھونڈتا پھرے کہ اس کے بعد کی کونسی عبارت ہے، ایک طرف سے سیدھا سادا لکھنا شروع کرو اور ترتیب سے لکھتے چلے جاؤ تا کہ پڑھنے والا سیدھا پڑھتا چلا جائے۔

۸- جب ایک صفحہ لکھ چکو اس کو مٹی سے یا جاذب کاغذ سے خوب خشک کر لو پھر اگلا صفحہ لکھنا شروع کرو ورنہ حروف مٹ جائیں گے۔

۹- بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ قلم میں روشنائی زیادہ لگا لیتے ہیں پھر اس کو چٹائی یا فرش یا دیوار پر چھڑک کر روشنائی کم کرتے ہیں، یہ بے تمیزی کی بات ہے، شروع ہی سے روشنائی سنبھال کر لگاؤ اور زیادہ آجائے تو دوات کے اندر جھاڑ دو۔

۱۰- اگر کوئی عبارت غلط لکھی گئی یا جو بات لکھنا منظور نہ تھی وہ لکھ دی گئی تو اس کو تھوک یا پانی سے مت مٹاؤ، لکھنے والوں کے نزدیک یہ عیب سمجھا جاتا ہے، بلکہ اتنی عبارت پر ایک لکیر کھینچ دواور اگر اس مضمون کا پوشیدہ ہی کرنا منظور ہو تو خوب روشنائی بھر دو، یا کاغذ بدل دو۔

۱۱- خط میں کسی کو کوئی بات بے شرمی یا ہنسی کی مت لکھو۔

۱۲- جو کاغذ سرکاری دربار میں پیش کرنے کا ہو اس پر بغیر کسی مجبوری کے اپنے دستخط کبھی مت کرو۔[۱]

خط و کتابت کے متفرق ضروری آداب

۱- خط کی عبارت اور مضمون اور خط (تحریر) بہت صاف ہو۔

۲- ہر خط میں اپنا پورا پتہ لکھنا ضروری ہے، مکتوب الیہ کے ذمہ ضروری نہیں کہ اس کو یادرکھا کرے۔

۳- اگر کسی خط میں پہلے خط کے کسی مضمون کا حوالہ دینا ہو تو پہلا خط بھی اس مضمون پر نشان بنا کر ساتھ بھیجے تا کہ سوچنے میں تعب نہ ہو اور بعض اوقات تو سوچنے سے بھی یاد نہیں آتا۔

۴- کثیر المشاغل مصروف آدمی کو پیام وسلام پہنچانے سے معاف رکھے، اسی طرح اپنے معظم (بڑے استاد پیر) کو بھی ایسی تکلیف نہ دے، اور جو کام مکتوب الیہ کے مناسب نہ ہو اس کی فرمائش لکھنا تو اور بھی بے تمیزی ہے۔

۵- اپنے مطلب کے لیے بیرنگ خط نہ بھیجے۔

۶- بیرنگ جواب بھی نہ منگوائے، بعض اوقات یہ شخص ڈاکیہ کو نہیں ملتا اور وہ اس خط کو واپس کر دیتا ہے، تو بلاضرورت جواب دینے والے کو یہ تاوان دینا پڑتا ہے۔

---

[۱] بہشتی زیور ۱۰/۶۰۸

۷- جوابی رجسٹری خط بھیجنا خلاف تہذیب۔ حفاظت تو غیر جوابی رجسٹری کے برابر ہوتی ہے پھر اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ مکتوب الیہ لے کر انکار نہیں کرسکتا، سو ظاہر ہے کہ اپنے معظم (بڑے) کو جوابی رجسٹری بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر جھوٹ بولنے کا شبہ کیا جاتا ہے سو یہ کتنی بڑی بے ادبی ہے۔[۱]

۸- فرمایا: تعزیت کے خط کا جواب نہیں ہوا کرتا۔[۲]

۹- لکھتے لکھتے اگر مضمون سوچنے لگو قلم کان میں رکھ لیا کرو، اس سے خوب یاد آتا ہے۔[۳]

۱۰- خط لکھ کر اس پر مٹی چھوڑ دیا کرو۔[۴]

عورتوں کے لیے متفرق ضروری ہدایات

۱: جس مرد سے شریعت میں پردہ ہو اس کو بغیر سخت مجبوری کے کبھی خط مت لکھو۔

۲: خط میں کسی کو کوئی بات بے شرمی یا ہنسی کی مت لکھو۔

۳: جہاں تک ہو سکے لفافہ اپنے مردوں سے لکھوایا کرو، بعض دفعہ کوئی بات ایسی ہوجاتی ہے کہ کچہری دربار میں کسی بات کی وجہ سے جانا پڑتا ہے تو عورتوں کے واسطے یہ کس قدر بے حجابات ہے۔

۴: جو کاغذ سرکاری دربار میں پیش کرنے کا ہو اس پر بغیر کسی مجبوری کے اپنے دستخط مت کرو۔

۵: کوئی بات پوشیدہ لکھنا ہو (خصوصاً شوہر کے پاس) تو پوسٹ کارڈ مت لکھو (بلکہ لفافہ لکھو)۔

۶: دیور اور جیٹھ سے جہاں تک ہو سکے خط و کتابت نہ رکھو، زیادہ میل جول مت بڑھاؤ، اگر کبھی ایسی ضرورت ہی آ پڑے تو خیریت لکھ دو، اور ان کو جناب بھائی صاحب کر کے لکھ دو۔[۵]

---

[۱] آداب المعاشرت ص:۱۹۲ [۲] حسن العزیز:۷۹/۲ [۳] تعلیم الدین ص:۵۱
[۴] تعلیم الدین [۵] بہشتی زیور ۳۳/۱

عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے شوہر کو دکھائے بغیر کہیں خط نہ بھیجیں

جو خط کہیں بھیجنا ہو اسے لکھ کر اپنے شوہر کو دکھا دیا کرو اور جس کے شوہر نہ ہو وہ اپنے گھر کے مرد کو (مثلاً) باپ کو، بھائی کو ضرور دکھلا لے، اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ عقل دی ہے شاید اس میں کوئی نامناسب بات لکھی ہو اور تمہاری سمجھ میں نہ آئی ہو وہ سمجھ کر نکال دیں گے، یا اس کی اصلاح کر دیں گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کو کسی طرح کا شبہ نہ ہوگا، یاد رکھو کسی عورت پر شبہ ہو جانا عورت کے لیے مر جانے کی بات ہے، تو ایسے کام کیوں کرو جس کی وجہ سے تم پر کسی کو شبہ ہو۔[1]

عورت کو شوہر یا کسی محرم کے دستخط کے بغیر خط نہیں بھیجنا چاہیئے

فرمایا: میری تاکید ہے کہ عورتیں میرے پاس کسی محرم (جس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو) مثلاً باپ بھائی یا شوہر کے دستخط کے بغیر خط نہ بھیجا کریں، اگر کوئی عورت بلا دستخط کرائے خط بھیجتی ہے تو میں واپس کر دیتا ہوں جواب نہیں دیتا، میں یہ چاہتا ہوں کہ عورتوں کو اپنے محرم یا شوہر کو دکھلائے بغیر خط و کتابت کی جرأت نہ ہو اس میں بہت سے مفاسد کا انسداد ہے۔[2]

عورتوں کے پاس جو خط آئے اس کو بھی شوہر کو دکھلانا چاہیئے

اسی طرح جو خط تمہارے پاس کہیں سے آئے وہ بھی اپنے مردوں کو دکھلا دیا کرو، البتہ خود میاں (یعنی شوہر) کو جو خط جائے یا میاں کا خط آئے اگر وہ نہ دکھلاؤ تو کچھ ڈر نہیں، مگر اوپر سے آئے ہوئے خط کا لفافہ اور جانے والے خط کا (یعنی پتہ) پھر بھی دکھلا دو۔[3]

---

[1] بہشتی زیور ۱/۷۰۶ [2] کمالات اشرفیہ، قسط: ۱ [3] بہشتی زیور ۱/۷۰۶

عورتوں کو نہایت ضروری نصیحت

اپنی سسرال کی شکایت ہرگز اپنے میکہ جا کر مت کرو (اور نہ خط میں لکھو) بعض شکایتیں گناہ بھی ہوتی ہیں اور یہ بے صبری کی بات ہے، اور اکثر اس سے دونوں طرف رنج بھی بڑھ جاتا ہے، (لڑائی بڑھ جاتی ہے) اسی طرح سسرال میں جا کر اپنے میکہ کی تعریف یا وہاں کی بڑائی مت کرو، (یا خوامخواہ کی طرفداری وحمایت نہ کرو اس میں عورت ہی کا نقصان ہے نیز) اس میں بھی بعض دفعہ فخر وتکبر کا گناہ ہو جاتا ہے، اور سسرال والے سمجھتے ہیں کہ ہم کو (یا شوہر کو) بہو بے قدر (بے عزت) سمجھتی ہے اس کی وجہ سے وہ بھی اس کی بے قدری کرنے لگتے ہیں۔[۱]

ڈاک اور خطوط سے متعلق حضرت تھانویؒ کے مقرر کردہ ضوابط

حضرت والا کے قواعد خطوط کے متعلق یہ ہیں

۱: جوابی کارڈ (یا لفافہ) ہو اس کا جواب دیا جاتا ہے، ورنہ ردّی میں داخل کر دیا جاتا ہے، لفافہ پر اپنا پتہ لکھ کر بھیجا کریں۔

۲: بیرنگ خط واپس کر دیا جاتا ہے۔

۳: پتہ صاف لکھیں ورنہ جواب کی امید نہ رکھیں۔

۴: مشتبہ ٹکٹ نہ بھیجیں نہ خود لگائیں۔

۵: فضول مضامین نہ لکھیں۔

۶: سفارش اور انجمنوں اور تقریبات میں شرکت کی فرمائش نہ کریں۔

---

[۱] بہشتی زیور ۴/۱ ۵۷

۷: عملیات اور تعبیر خواب کی درخواست نہ کریں۔

۸: بعض لوگ کسی مضمون کے متعلق پہلے خط کا حوالہ لکھتے ہیں اور یاد نہیں آتا کہ پہلے کیا لکھا تھا، لہٰذا یا تو وہ پورا مضمون نقل کردیا کریں یا وہ خط ہی بھیج دیا کریں۔

۹: حضرت والا سے کتابوں کی یادواؤں کی درخواست نہ کریں، حضرت کو تجارت سے تعلق نہیں، جس کے نام کا اشتہار نظر سے گذرا ہو اس سے براہ راست گفتگو کریں۔

۱۰: پلندوں (پارسل) میں خط نہ رکھیں کیونکہ قواعد ڈاکخانہ کے خلاف ہے۔[۱]

حتی الامکان راز کی باتیں خطوط میں نہ لکھنا چاہئے

۱- کبھی خط میں ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ خط لکھنے والا نہیں چاہتا کہ یہ بات دوسروں کو معلوم ہو، خود مکتوب الیہ بھی اس کا اخفاء ضروری سمجھتا ہے اور کبھی مرسل (خط بھیجنے والا) اس کی تصریح بھی کردیتا ہے کہ یہ باتیں کسی اور کے علم میں نہ آئیں، ایسی باتیں زبانی کہنے کی ہوتی ہیں، خط میں نہیں لکھنا چاہئے، ممکن ہے خط کسی دوسرے کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کو پڑھ لے اور راز فاش ہوجائے تو مرسل بدگمانی میں مبتلا ہوگا کہ دیکھو میں نے اہتمام سے لکھ دیا تھا کہ کسی کے علم میں نہ آئے پھر تیسرے کو کیسے معلوم ہوگیا اب مرسل کا ذہن اس کی طرف جائے گا کہ مکتوب الیہ نے بتلا دیا ہے اور جب مکتوب الیہ کو اپنے بارے میں مرسل کی اس بدگمانی کا علم ہوگا تو اس کو مستقل اذیت ہوگی، اس لیے عقلمندی کی بات یہ ہے کہ ایسا کام ہی نہ کیا جائے ؎

چرا عاقل کند کارے کہ بعد آید پشیمانی

۲- بعض لوگ خط لکھتے ہیں اور اخیر میں یہ لکھ دیتے ہیں کہ ایک اور اہم بات

---

[۱] معمولات اشرفی ص:۸۱

ہے اسے آئندہ لکھوں گا اب مکتوب الیہ خط ملنے کے بعد پریشان ہے کہ نہ معلوم کونسی اہم بات ہے، صغریٰ کبریٰ لگا رہا ہے لیکن نتیجہ نہیں نکل پا رہا ہے، ذہنی تشویش، وقت کی اضاعت، فکری انتشار، تعطل یہ سارے مفاسد اس کے اندر ہیں، اس لیے جو واقعہ لکھنا ہو مکمل لکھے اور جسے آئندہ لکھنا ہو اس کا کوئی تذکرہ نہ کرے۔

۳- بعض لوگ خط کے ذریعہ کسی اہم خبر یا کسی کی آمد یا کسی کے انتقال کی خبر دیتے ہیں اور تاریخ دن نہیں لکھتے یہ بھی غلط ہے، اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے تا کہ مکتوب الیہ کو پوری بات معلوم ہو جائے، دن وتاریخ کے لئے اس کو دوبارہ خط نہ لکھنا پڑے۔[۱]

ڈاک لکھنے اور پڑھنے کے متعلق حضرت تھانویؒ کا معمول

ڈاک لانے اور لے جانے کی خدمت نیاز خاں ملازم کے سپرد ہے۔

حضرت والا خود ایک ایک خط کو پڑھتے ہیں اور فوراً ہی جواب لکھتے جاتے ہیں، بعض طلبہ نے چاہا کہ حضرت کی تکلیف بٹالیں اور حضرت بولتے جایا کریں اور کوئی لکھنے والا لکھا کرے، مگر ثابت ہوا کہ اس سے کام اتنی جلدی نہیں ہوتا جتنا خود لکھنے سے ہوتا ہے، اس واسطہ یہ طریقہ چھوڑ دیا گیا، ہاں اتنا ہے کہ پتہ خود تحریر نہیں فرماتے، لفافہ بنانا بند کرنا، پتہ وغیرہ لکھنا مولوی عبداللہ صاحب نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔(ساری کارروائی کے بعد) پھر حضرت والا ان سب پر ایک سرسری نظر احتیاطاً ڈال لیتے ہیں اور روانگی کی اجازت دیتے ہیں۔[۲]

جواب لکھنے کا معمول

جواب لکھنے میں معمول یہ ہے کہ بہت مختصر بلکہ بعض اوقات صرف ہاں یا نہیں لکھتے ہیں، مگر الفاظ اتنے ہوتے ہیں کہ مقصود میں مخل نہ ہوں، جہاں اختصار سے کام نہیں چلتا طول سے کام لیتے ہیں، ہاتھ ایسا رواں ہے کہ دوسرا آدمی ایک خط لکھے تو حضرت چار لکھیں۔[۳]

---

[۱] ماخوذ از الصیانہ لاہور مارچ ۹۴ء [۲] معمولات اشرفی ص:۸۷ [۳] معمولات اشرفی ص:۸۷

فصل

متفرقات

خطوط میں لکھے ہوئے سلام کا شرعی حکم

۱: خطوں میں جو سلام لکھا ہوا آتا ہے اس کا جواب دینا واجب ہے خواہ خط میں لکھے یا زبانی دے دے۔

۲: خطوط میں جو السلام علیکم لکھا ہوا آتا ہے اس کے جواب میں فقہاء نے وعلیکم السلام اور السلام علیکم دونوں کو کافی لکھا ہے۔[۱]

۳: بعض بچوں کی طرف سے خطوں میں جو سلام لکھا ہوا آتا ہے تو عام عادت تو یہ ہے کہ سلام کے جواب میں صرف دعاء لکھ دیتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس سے جواب ادا نہیں ہوتا اس لیے میں تو سلام ودعاء دونوں لکھتا ہوں۔[۲]

اگر وہ سلام بچے نے نہ لکھوایا ہو کسی بڑے نے اس کی طرف منسوب کر دیا ہو اس کا جواب واجب ہی نہیں۔[۳]

۴: میں بچوں کے خط میں دعاء بھی لکھ دیتا ہوں ان کی طیب خاطر کے لیے مگر پہلے سلام بھی لکھ دیتا ہوں کیونکہ یہ سنت ہے سلام کو نہیں چھوڑتا، عبارت کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ ''السلام علیکم بعد دعاء کے واضح ہو کہ'' ۔[۴]

۵: بجائے سلام کے (صرف) آداب کہنا یا لکھنا بدعت ہے، البتہ سلام کے بعد اس قسم کے آداب کے کلمات لکھنے کا مضائقہ نہیں۔[۵]

خط میں تاریخ اور سنہ ضرور لکھنا چاہئے

ہر خط کے شروع یا اخیر میں مہینہ اور تاریخ اور سنہ بھی ضرور لکھنا چاہئے، بہت

---

[۱] آداب المعاشرت جدید ص:۴۵ [۲] الافاضات الیومیہ ص:۱۴۴
[۳] الافاضات الیومیہ ص:۱۴۴ [۴] الافاضات الیومیہ ص:۱۴۴ [۵] کمالات اشرفیہ ص:۱۲

دفعہ اس کی ضرورت پڑتی ہے تاریخ اور سنہ لکھنے میں بہت فائدے ہیں، ایک تو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس خط کو آئے ہوئے کتنے دن ہوئے، شاید اس میں کوئی ایسی بات لکھی ہو اوراب اس کا موقع نہ رہا، تو دھوکا تو نہ ہوگا، دوسرے اگر ایک خط میں ایک بات لکھی ہے اور دوسرے میں اس کے خلاف ہے تو اگر تاریخ اور سنہ نہ ہو تو دیکھنے والے کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ اس میں کون سا پہلا ہے کون سا بعد کا۔ اوراس میں کون سی بات کروں اور کون سی نہ کروں، اوراگر تاریخ وسنہ ہوگا تو اس سے معلوم ہوجائے گا فلانا خط بعد کا ہے اس کے موافق عمل کرنا چاہئے، اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔[1]

تاریخ نہ ہونے سے کبھی بہت دقت ہوتی ہے مثلاً کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سفر یا کسی اور وجہ سے جواب نہیں لکھا گیا اوراس وجہ سے کئی خط جمع ہوگئے تو اب یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ کون سا پہلا خط ہے اور کون بعد کا ہے تا کہ ان کے موافق جواب لکھا جائے، یا بعض باتیں وقتی ہوتی ہیں تو ان کو جلد کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے کسی خط میں بلایا اور لکھا ہو کہ اگر ہفتہ کے اندر اندر تم آ گئے تو میں یہاں ملوں گا، اب اگر اس خط میں تاریخ نہیں ہے اور ہمارے پاس کئی خط جمع ہوگئے تو اب معلوم نہیں ہوگا کہ اس وقت جانے سے ہم کو وہ ملیں گے یا نہیں، اور بعض دفعہ کسی مقدمہ میں یا ویسے ہی گفتگو میں تاریخ کے ساتھ خط پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور تاریخ نہ ہونے سے دقت ہوتی ہے اس لیے تاریخ مہینہ اور سنہ ضرور لکھنا چاہئے۔[2]

عربی مہینوں اور قمری تاریخ کا استعمال کرنا چاہئے

ہم لوگوں کو اپنے روزمرہ میں عربی مہینوں کا استعمال کرنا چاہئے، ہاں ضرورت کے موقع میں دوسرے مہینوں کے استعمال کا مضائقہ نہیں (مثلاً آئندہ کی تاریخ متعین کرنا، سرکاری کاغذات میں دستخط کرنا وغیرہ وغیرہ) باقی روز مرہ کی بول

[1] بہشتی زیور اختری ۱۰/۴۸ [2] بہشتی زیور ۱/۳۶

چال اور باہمی خط وکتابت میں عربی مہینوں ہی کا استعمال کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کے استعمال کی کچھ ضرورت نہیں، اور بلا ضرورت اسلامی طریقوں کو چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ کیوں لیا جائے، مگر آج کل اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور اکثر نوجوانوں نے (بلکہ دینی تعلیم یافتہ لوگوں نے اب) عربی مہینوں کا استعمال ترک کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ رمضان کب آ گیا، اور جو کسی کو خبر ہوتی ہے تو وہ بھی انگریزی مہینوں کے ذریعہ سے، چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ اب کے بیسویں جولائی کو عید ہوگی، حالانکہ عید ایک اسلامی چیز ہے مگر ان حضرات کو اس کا وقت بھی انگریزی مہینوں سے معلوم ہوتا ہے۔[1]

شریعت نے جن الفاظ میں اپنی کوئی خاص اصطلاح مقرر کی ہے مسلمانوں کو اسی کا استعمال کرنا چاہئے، اس کو چھوڑ کر کفار کی اصطلاح نہ برتنی چاہئے، ظاہر میں تو یہ معمولی بات ہے کہ بول چال میں اپنے اسلامی الفاظ بولے جائیں مگر اس کے چھوڑنے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہے ان کو دیکھ کر اس کی قدر معلوم ہوتی ہے، اگر سب مسلمان الفاظ کو معمولی چیز سمجھ کر دوسری زبان کے مہینے استعمال کرنے لگیں تو رمضان اور عید اور حج وغیرہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کب آئے تھے اور کب چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ کی رعایت فرما کر محض الفاظ کو نہیں بلکہ دین کو سنبھالا ہے مگر آج کل لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔[1]

انگریزی اور اسلامی تاریخ استعمال کرنے کا شرعی حکم

چونکہ شرعی احکام کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے اس کا محفوظ رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے، اور اس کے محفوظ کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ روزمرہ اسی کا استعمال رکھا جائے، اور ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہے، اور عبادت کی حفاظت کا

---

[1] اسباب الفتنہ ملحقہ التبلیغ ۱۰/۳۰

آلہ (ذریعہ بھی) یقیناً ایک درجہ میں عبادت ہے، پس قمری حساب کا استعمال اس درجہ میں مطلوب شرعی ٹھہرا، اور شمسی حساب (انگریزی مہینوں اور تاریخ) کا استعمال کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ وسلفِ صالحین کی وضع کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

اسلامی تاریخ لکھنے کا طریقہ

جس مہینہ میں خط لکھنا ہو اس کا جونسا دن ہو اس کو تاریخ کہتے ہیں، جیسے اب مثلاً رمضان کا مہینہ ہے اور آج کا اٹھارواں دن ہے تو اٹھارویں تاریخ ہوئی۔

اور اس کے لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جونسی تاریخ ہو وہی ہندسہ (عدد) لکھ کر اس کے بعد مہینہ کا نام لکھ دو، مثلاً رمضان کی اٹھارویں تاریخ کو اس طرح لکھو، ۱۸/ رمضان۔

اور سنہ کہتے ہیں برس کو، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی مسلمانوں میں اسی وقت سے برسوں کا شمار کرتے ہیں، اب تک چودہ سو پندرہ برس ہو چکے ہیں بس یہی سنہ ہوا، اور اس کو ہجری سنہ کہتے ہیں کیونکہ ہجرت کے حساب سے ہے، اس کو لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفظ سنہ ذرا لمبا سا لکھیں گے اور اس کے اوپر یہ عدد لکھیں گے اور اس کے آگے دو چشمی ھ بنا دیں گے، اس طرح ۱۴۱۵ھ اور سنہ محرم کے مہینے سے بدل جاتا ہے۔

مہینوں کے عربی اور اردو نام یہ ہیں:

محرم صفر ربیع الاول ربیع الثانی جمادی الاولیٰ جمادی الاخریٰ
رجب شعبان رمضان شوال (عید) ذی قعدہ ذی الحجہ

مثلاً اب جو محرم آئے گا اس سے چودہ سو سولہ (۱۴۱۶ھ) شروع ہوگا، چودہ کا عدد تو اپنی حالت پر رہنے دیں گے، اور پندرہ کی جگہ سولہ کر دیں گے، اسی طرح ہر محرم

سے اس عدد کو بدلتے رہیں گے جب پورے سو سال گذر جائیں گے تو چودہ کا ہندسہ بھی بدل دیں گے (اور بجائے چودہ کے پندرہ لکھا جائے گا) اس زمانے میں جو لوگ ہوں گے وہ آپس میں اس کے لکھنے کا طریقہ پوچھ لیں گے۔[1]

بلا اجازت دوسرے کا خط دیکھنا کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز؟

کسی کا خط مت دیکھو، نہ سامنے جیسے بعض آدمی لکھتے ہوئے خط کو دیکھتے جاتے ہیں اور نہ بعد میں دیکھو۔[2]

سوال: کسی کا خط بلا اجازت دیکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست نہیں مگر اس کے عدم جواز کی ایک علت ہے (اگر علت پائی جائے گی تب تو ناجائز ہوگا اور اگر ممانعت کی علت نہ پائی جائے تو جائز ہوگا)۔

اور وہ علت کاتب خط (یعنی جس نے خط لکھا ہے اس کو) نقصان پہنچنا ہے اور حدیث شریف میں ہے: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ''۔

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

یا اس ممانعت کی علت اس کاتب کو (جس کا خط ہے) تکلیف پہنچانا ہے جو (کسی کا خط پڑھنے سے اس کے) خفیہ امور کے ظاہر کرنے سے اس کو ہوتی ہے، اور کسی کا خط دیکھنے سے اکثر یہ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔

تیسری علت (کسی کا خط پڑھنے سے ممنوع ہونے کی یہ ہے کہ) یہ فعل لغو کا ارتکاب ہے (جس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں)۔

اگر خط دیکھنے سے نہ کاتب کو (جس کا خط ہے) نقصان پہنچے، نہ اس میں کوئی خفیہ بات کا احتمال ہو، اور نہ اس کا کوئی نفع ہو، (تو خط پڑھنے کی گنجائش ہے)۔

---

[1] بہشتی زیور دہم ۱۰/۶۰۹ [2] آداب المعاشرت ص:۱۸۹

اگر کسی صورت میں دوسرے کا خط دیکھنا ان تینوں علتوں سے خالی ہو اور کاتب ہی کی کوئی مصلحت بھی ہو تو عدم جواز کا حکم بھی مرتفع ہو جائے گا اور مندوب ہو جائے گا۔ جیسے ماں باپ کا اولاد کے خطوط کی نگرانی کرنا، استاذ اور مربی کا طلبہ کے خطوط کو دیکھنا یا حاکم کو رعایا کے اقوال وافعال کی خبر رکھنا یہ سب جائز ہیں بلکہ کہیں ضروری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے جانے والے سے زبردستی چھنوالیا تھا۔

اور اگر خط کے دیکھنے کو بلا کسی علت کے ممنوع کہا جائے تو ہزاروں مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے۔[1]

بغیر تحقیق کے محض خط کی بناپر کسی سے بدگمان ہونا درست نہیں

ایک مولوی صاحب کے پاس ایک خط آیا جس میں کچھ سخت الفاظ لکھے تھے، انہوں نے حضرت والا سے ذکر کیا کہ جن کے نام سے خط آیا ہے میں ان کو لکھوں کہ انہوں نے ایسے الفاظ کیوں لکھے؟

حضرت نے فرمایا کہ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ ان کی تحریر بھی ہے یا نہیں؟ اگر آپ خط (تحریر) پہچانتے ہوں تو معلوم ہوسکتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ خط تو کسی دوسرے سے لکھایا گیا ہے، فرمایا کہ خوامخواہ کسی پر کیوں شک وشبہ کیا جائے، اگر ان کا خط پہچانا جاتا تو پہلے ان سے دریافت کیا جاتا کہ آیا انہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا نہیں، اگر وہ انکار کریں تو بھی ان سے مخاطبت بے جا ہے، ان سے تو مخاطبت جبھی ہوسکتی ہے جب کہ ان کی تحریر پہچانی جائے اور وہ خط کے بھیجنے کا اقرار کریں۔[1]

احتیاط اسی میں ہے کہ روایت (یعنی نقل کی ہوئی سنی ہوئی بات) کو اپنی طرف سے نہ لکھے بلکہ ان کو روایت ہی کے طور پر لکھے۔[2]

---

[1] مجالس الحکمۃ ص:۱۸۴ [2] حسن العزیز ۱/ ۵۵۷

کاغذ کی قدر دانی اور اسراف سے احتیاط

بعض اہل علم جب اپنے نام کے آئے ہوئے خطوط میں ایک سادہ کاغذ جڑا ہوا دیکھتے ہیں جس کا آج کل عام رواج ہوگیا ہے، (شادی کارڈ وغیرہ میں بھی سادہ کاغذ جڑا ہوتا ہے) تو اس کو جدا کرکے رکھ لیتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں، اس میں بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں، اس کا بھی وہی جواب ہے جو ماقبل میں مذکور ہوا، فرق اتنا ہے کہ اوپر کا فعل واجب نہ تھا (یعنی لفافہ کا الٹ کر کام میں لانا) اور یہ واجب ہے (یعنی سادہ کاغذ کو کام میں لانا) کیونکہ پہلی صورت میں لفافہ سے نفع ہو چکا ہے تو دوبارہ انتفاع کا اہتمام نہ ہونا مال کو ضائع کرنا نہیں ہے جس کی ممانعت آئی ہے، اور اس صورت میں کاغذ سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا گیا تو اس سے کام نہ لینا بالکلیہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ حدیث پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ''نهٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن إضاعة المال''، (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے) اور اسکے مقابلہ میں بلاضرورت کاغذ لگانے کو بلاشبہ مسرف ومبذّر (فضول خرچ اور اسراف کرنے والے) کا لقب دیا جائے گا۔

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ دس پیسہ کے کاغذ میں کیا اسراف ہوگا، اہل قانون خوب جانتے ہیں کہ جب غبن جرم ہے تو ہزار روپئے کا غبن جیسا جرم ہے ویسا ہی ایک پائی کا غبن بھی جرم ہے۔ اور اسکا مرتکب بھی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

تنبیہ: بعض مدارس میں بھی اس کا رواج ہو چلا ہے احتیاط واجب ہے۔[1]

بچے ہوئے کاغذ کو کام میں لانا

ایک صفحہ کے آدھے کاغذ پر حضرت نے جواب لکھا اور آدھے کو پھاڑ کر

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۴۷۳ ج ۴

اپنے پاس رکھ لیا، اور فرمایا کہ اتنا کاغذ تعویذ ہی کے کام میں آ جائے گا، وہاں یہ ردّی میں جائے گا۔[۱]

استعمال شدہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لانا

بعض طلبہ وعلماء کو دیکھا جاتا ہے کہ لکھے ہوئے لفافے دوسری طرف سے الٹ کر گوند سے جوڑ کر کام میں لے آتے ہیں، اور لوگ اس کو دناءت (یعنی حقیر) سمجھتے ہیں حالانکہ غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی حقیقت مال کو ضائع کرنے سے بچانا ہے گو اس درجہ تک کی حفاظت واجب نہ ہو، لیکن محمود اور اولیٰ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

متمدن (تہذیب یافتہ) قوموں کی عموماً اس پر تعریف کی جاتی ہے کہ کوئی چیز بیکار نہیں چھوڑتے، ہر چیز سے گو وہ کیسی ہی ناکارہ نظر آئے کام لیتے ہیں، حتیٰ کہ گودڑوں اور چیتھڑے کا کاغذ بنتے ہوئے خود احقر نے دیکھا ہے، تعجب ہے کہ اس پر تو مدح ہو اور اس کی نظیر پر خردہ گیری کی جائے (اور اس کو حقیر سمجھا جائے؟) نہایت انصاف سے بعید ہے۔[۲]

جن لفافوں اور ٹکٹوں پر مہر نہ لگ سکی ہو ان کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں

چونکہ قانون سے یہ ممنوع ہے اور ان مسائل میں قانون کے خلاف کرنا شرعاً جائز نہیں، (اس لئے ایسا کرنا بھی جائز نہیں)

خود میرے پاس بہت خطوط ایسے آ جاتے ہیں جن کا ٹکٹ ڈاکخانہ کی مہر سے صاف بچ جاتا ہے، میں اس خط کے پڑھنے سے بھی پہلے یہ کام کرتا ہوں کہ اس ٹکٹ کو

---

[۱] حسن العزیز ص:۲۴۸ [۲] حقوق العلم ص ۲۴

چاک کر کے پھینک دیتا ہوں، حالانکہ اگر کوئی اس کا استعمال کرے تو کسی کو پتہ بھی نہ چلے، مگر دین (مذہب) اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے ایسا نہیں کیا جاتا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایسے ٹکٹوں کو خیرات کیوں نہ کر دیا جائے (یعنی کسی غریب شخص کو دے دیا جائے وہ اپنے کام میں لے آئے؟) اس پر فرمایا کہ یہ گورنمنٹ کا حق ہے اس میں کیسے ثواب ہوگا۔[1]

غیرِ مستعمل لفافہ یا ٹکٹ ردی میں مل جائے اس کا حکم

ایک صاحب ایک ٹکٹ لائے اور عرض کیا کہ جو ردّی خطوط تلف کرنے کے لیے دیئے تھے ایک لفافہ کے اندر یہ ٹکٹ نکلا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

فرمایا: یہ لقطہ ہے اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جب مالک کا پتہ چلنا دشوار ہو تو کسی کارِ خیر میں دے دیا جائے، چنانچہ میں مدرسہ میں دے دیتا ہوں۔[2]

بڑوں کے القاب وآداب ماخوذ از بہشتی زیور

والد صاحب کے لئے

۱۔ معظم ومحترم جناب والد صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد آداب وتسلیم بصد تعظیم وتکریم عرض ہے کہ..................

۲۔ معظمی ومحترمی جناب والد صاحب مد ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد آداب وتسلیم کے عرض ہے کہ............

---

[1] حسن العزیز ۳/۶ [2] حسن العزیز ص ۶ ج ۳

والدہ کے لئے

۱- جناب والدہ صاحبہ مخدومہ ومعظّمہ دام ظلہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲- معظّمہ ومحترمہ جناب والدہ صاحبہ دام ظلہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوٹ: جو القاب والد کے ہیں دادا، اور نانا اور چچا اور ماموں اور خسر کے بھی وہی القاب ہیں، اور جو القاب والدہ کے ہیں خالہ اور ممانی اور نانی اور چچی وغیرہ بڑے رشتوں کے بھی وہی القاب ہیں۔

والدہ صاحبہ کی جگہ خالہ صاحبہ ممانی صاحبہ لکھ دیا کرو۔

بھائی بہن کے نام

بڑی بہن کے لیے:

معظّمہ ومحترمہ ومکرمہ ہمشیرہ صاحبہ دام ظلہا السلام علیکم

بڑے بھائی کے لیے:

معظم ومحترم مخدوم ومکرم جناب بھائی صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چھوٹوں کے القاب وآداب

بیٹے، پوتے، بھتیجے، نواسے وغیرہ کے لیے

۱- برخوردار نور چشم راحت جان، سعادت واقبال نشان سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، بعد دعا ز یادتی عمر وترقی درجات کے واضح ہو کہ......

۲- نور نظر لخت جگر طول عمر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعاء درازی عمر وحصول سعادت دارین کے واضح ہو کہ..................

چھوٹے بھائی بہن کے لیے

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ بعد دعاء کے واضح ہو۔

۱- ہمشیرہ عزیزہ نور چشمی صالحہ سلمہا اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲- خواہر نیک اختر طول عمرہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شوہر وبیوی کے القاب

۱- سردار من سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد سلام اور شوق ملاقات کے عرض ہے کہ۔

۲- محرم اسرار، انیس غمگسار من سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد سلام ونیاز کے التماس ہے کہ

۱- رونق خانہ وزیب کاشانہ من سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد شوق ملاقات کے واضح ہو کہ

۲- انیس خاطر غمگین سلامت السلام علیکم ۔

تمت

احکام صحافت وذرائع ابلاغ

مع

آداب مطالعہ

مطالعہ کتب اوراخبار بینی واخبارنویسی، انٹرنیٹ وغیرہ

کے اصول وآداب اورشرعی احکام

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

WWW.ALISLAHONLINE.COM

مرتب کی چند علمی وفقہی کتابیں

(۱) ائمہ اربعہ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت (علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر علماء ندوہ کی تحریرات کی روشنی میں)

(۲) مسئلہ اجتہاد وتقلید (احادیث نبویہ اور علامہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علماء غیر مقلدین کی تحریرات کی روشنی میں (غیر مطبوعہ)

(۳) اصول الفقہ والشرع اور مسئلہ اجتہاد وتقلید قرآن کی روشنی میں۔ (غیر مطبوعہ)
(افادات حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، زیر طبع)

(۴) تحفۃ المفتی (مفتیوں کے لئے اہم ہدایات، افادات مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۵) اجتہاد تقلید کا آخری فیصلہ۔ (افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

(۶) فقہ حنفی کے اصول وضوابط۔ (افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

(۷) آداب افتاء واستفتاء۔ (افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

(۸) چند اہم مسائل ومباحث (مسئلہ ایصال ثواب، وسیلہ کی تحقیق، زیارت قبور کیلئے شدِّ رحال، طلاق ثلاثہ، تراویح بیس رکعت، وغیرہ) (افادات حضرت تھانویؒ)

(۹) کتاب الاحکام (احکام الرؤیا، احکام کشف، احکامِ کرامت، احکام برکت، احکام سجادہ نشینی، احکام الرقیہ والتعویذ، احکام مناظرہ وغیرہ (افادات حضرت تھانویؒ)

(۱۰) مسئلہ وحدۃ الوجود اور استوا علی العرش کی تحقیق۔ (افادات حضرت تھانویؒ)

(۱۱) نوادر الحدیث (افادات شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم)

(۱۲) نوادر الفقہ (افادات شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم)

ناشر: ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

احکام صحافت وذرائع ابلاغ

مع

آداب مطالعہ

مطالعہ کتب اوراخبار بینی واخبارنویسی، انٹرنیٹ وغیرہ
کے اصول وآداب اورشرعی احکام

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ